نور المصابیح

فخر العلماء والمحدثین واقفِ رموز شریعت و دین
حضرت مولانا ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی
مجددی قادری محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ

12

• ناشر •

ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، ناڑین، بلوروڈ، حیدرآباد، الہند

www.ziaislamic.com

zia.islamic@yahoo.co.in

باب الصلح

صلح کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

"و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله"

ترجمہ: "اور (اے پیغمبر) اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو" (سورہ انفال:٦١)

اور شیخ ابن ہمام نے کہا: آیت اگرچہ کہ مطلق ہے لیکن فقہاء ایک دوسری آیت کی بناء پر اس میں مسلمانوں کے فائدے کے نظر آنے کی صورت کے ساتھ اس کو مقید کرنے پر متفق ہیں۔ وہ (آیت) اللہ تعالیٰ کا (یہ) فرمان ہے:

"فلا تهنوا و تدعوا الی السلم و انتم الاعلون"

ترجمہ: "پس (اے مسلمانو) تم ہمت نہ ہارو اور (دشمن کو) صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے (سورہ محمد:35) البتہ جب صلح میں کوئی مصلحت نہ ہو تو وہ بالاجماع جائز نہیں ہے۔

حدیث نمبر (267/5157) مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم سے روایت ہے، ان دونوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے موقع پر اپنے ایک ہزار سے کچھ زائد صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے، پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے تو قربانی کے جانور کو قلادہ ڈالے اور اِشعار کیے (1)

---

(1) قولہ: واشعر الخ (اور آپ اِشعار کیے [کوہان کو زخمی کر کے خون کا نشان لگائے] ور اسی پر امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس

اور وہیں سے عمرہ کا احرام باندھے اور چلے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی ثنیہ میں پہنچے جہاں سے ان کے پاس پہنچا جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی تو لوگوں نے اس کو (اٹھانے کے لئے) ''حل حل'' کہا، قصواء اڑ گئی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ قصواء اڑی ہے اور نہ ہی یہ اس کی شان ہے، لیکن ہاتھی کو روکنے والے نے اس کو روک دیا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، وہ مجھ سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کریں گے جس میں وہ اللہ کے حرمات کی تعظیم کرتے ہوں، مگر یہ کہ میں ان کو وہ عطاء کردوں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہانکا تو تیزی سے کھڑی ہوگئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہٹ گئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے کنارے کم پانی والے ایک ایسے چشمہ کے پاس اترے جس کا پانی لوگ تھوڑا تھوڑا لے رہے تھے، پھر لوگ ٹھہرے نہیں یہاں تک کہ اس کو خالی کردیئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشنگی کی شکایت کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ترکش سے ایک تیر نکالے پھر ان کو حکم فرمایا کہ وہ اس کو اس میں ڈال دیں، پس اللہ کی قسم وہ (چشمہ کا پانی) ان کے لئے خوب سیرابی کے ساتھ ابلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اس سے سیراب ہوکر واپس ہوئے، پس وہ اسی حالت پر تھے

مکروہ ہے اور صاحبین کے پاس مستحسن ہے اور فتویٰ ان دونوں کے قول پر ہے اور طحاوی رحمہ اللہ نے کہا: امام ابوحنیفہؒ نے صرف اس نئے ایجاد کردہ اشعار کو مکروہ کہا ہے جس کو ان کے زمانے کے عوام الناس اور بدوی بطور مبالغہ کیا کرتے تھے۔ اور جس سے موت کے واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مطلق اشعار کو مکروہ نہیں کہا۔ اور صاحب غایۃ البیان نے اس کو اختیار کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے اور صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ یہی بات اولیٰ ہے۔ (ملخص از ہدایہ والبحر الرائق)

کہ اتنے میں بدیل بن ورقاء خزائی قبیلہ خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عروہ بن مسعود حاضر ہوئے۔ اور امام بخاری نے طویل حدیث کو بیان کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا: جس وقت سہیل بن عمرو آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لکھو "یہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی" 1

تو سہیل نے کہا: اللہ کی قسم اگر ہم یہ بات جانتے اور یقین کرتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، بلکہ آپ محمد بن عبد اللہ تحریر فرمایئے، انہوں نے کہا: (راوی نے کہا) پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اگر چہ کہ تم مجھے جھٹلاؤ۔

محمد بن عبد اللہ تحریر کرو۔ پس سہیل نے کہا: اور اس شرط پر 2

---

1 قوله: هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله الخ (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول ﷺ نے مصالحت کی) صاحب ہدایہ نے کہا اور جب دار الحرب کے باشندوں کے ساتھ یا ان کے کسی گروہ کیساتھ امام صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

2 قوله: و على ان لا ياتيك منا رجل و ان كان على دينك "اور اس شرط پر کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہیں آئے گا اگر چہ کہ وہ آپ کے دین پر ہو مگر ضرور آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے"۔ شیخ ابن ہمام نے کہا: اور اگر وہ لوگ صلح میں یہ شرط لگائیں کہ ان میں سے جو شخص مسلمان ہو کر آ جائے اس کو ان کے حوالے کر دیا جائے تو شرط باطل ہوگی اور اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ پس ہم حنفیہ کے نزدیک ان میں سے جو شخص مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ جائے اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی امام مالک کا قول

کہ آپ کے پاس ہم میں سے کوئی مرد نہیں آئے گا 1

اگر چیکہ وہ آپ کے دین پر ہو مگر ضرور آپ اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے۔ پس جب وہ لکھنے کے مسئلہ سے فارغ ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اٹھو، پس قربانی دو پھر حلق کرو 2

ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: مردوں سے متعلق شرط کو پورا کرنا واجب ہے، عورتوں سے متعلق پورا کرنا نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ایسا ہی کیا، البتہ اگر ایسی شرط عورتوں کے بارے میں لگائی جائے تو ان کو واپس بھیج دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں: اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار"۔ "تو اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو ان کو کافروں کے پاس واپس نہ لوٹاؤ" (ممتحنہ: ۱۰)

اور یہ مردوں کے حق میں بھی نسخ کی دلیل ہے کیونکہ اس سلسلہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ مسلمان مرد کو ان کی طرف واپس بھیجنے کا نقصان بہت زیادہ ہے۔ (مرقات)

1 قولہ: منا رجل "ہم میں سے کوئی مرد" اس میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں کو واپس کرنے پر صلح واقع نہیں ہوئی، اس لئے کہ اس حدیث میں "لا یاتیک منا رجل ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس نہیں آئے گا" وارد ہوا ہے۔ (مرقاۃ)

2 "قولہ: قوموا فانحروا ثم احلقوا فیہ الخ" "اٹھو پس قربانی دو پھر حلق کرو" اس میں یہ مسئلہ ہے کہ احرام کھولنے کے لئے محصر پر قربانی واجب ہے اور یہ کہ اس کے لئے اپنی قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنا ہے، کیونکہ ہمارے پاس حدیبیہ کی وہ جگہ جس میں انہوں نے قربانی دی حرم میں داخل ہے، جس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "فان احصرتم فما

پھر چند مومن عورتیں آئیں تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی:

"یا ایها الذین آمنوا اذا جاء کم المومنات مهاجرات"

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں (ممتحنہ: ۱۰) پس اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان عورتوں کو کفار کی طرف واپس بھیج دینے سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ وہ مہر (سابقہ شوہروں کو) واپس کر دیں 1۔

استیسر من الهدی ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محله". "پھر اگر تم [راستہ میں] روک دیئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر دو اور جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ" (البقرۃ:۱۹۶) و نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول: "هدیا بالغ الکعبة". "یہ قربانی کعبہ تک پہنچائی جائے" یعنی اس کے حرم تک اور اس کی تائید طحاوی کی یہ حدیث کرتی ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ حل میں تھا، اور آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ حرم میں تھی اور نہایہ میں ہے حدیبیہ وہ بستی ہے جہاں حرم کی حد اس سمت ختم ہوتی ہے اور یہ "حل" کا حصہ ہے اور اس کا بعض حصہ حرم سے ہے جیسا کہ واقدی نے اس کو ذکر کیا ہے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق ہے اور محب طبری نے کہا: حدیبیہ مکہ کے قریب ایک بستی ہے جس کا اکثر حصہ حرم میں داخل ہے اور وہ مکہ سے نو میل کی مسافت پر ہے۔ اور یہ اس بات کے خلاف نہیں ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ حدیبیہ حرم کے باہر ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ، شرح معانی الآثار)

1 قوله: وامرهم ان یرد والصداق "اور اس نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ مہر واپس کر دیں" اور اس عورت کا نکاح فسخ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا مہر کا واپس کرنا واجب تھا یا مستحب۔ اور اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا آج بھی مال (مہر) کو واپس کرنا واجب العمل ہے، جب کفار کے

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہوئے پس قریش کے ایک آدمی ابوبصیر مسلمان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس وہ کفار ان کی طلب میں دو آدمیوں کو روانہ کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان دو آدمیوں کے حوالہ کیا چنانچہ وہ دونوں ان کو لے کر نکلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ذوالحلیفہ پہنچے تو وہ اپنے کھجور کھانے کے لئے اترے تو ابوبصیرؓ نے دو آدمیوں میں سے ایک سے کہا: اے فلاں! اللہ کی قسم بے شک میں تمہاری اس تلوار کو بہت عمدہ دیکھ رہا ہوں، ذرا مجھے دکھاؤ کہ میں اس کو دیکھوں، پس اس نے ان کو اس کا موقع دیا تو انہوں نے اس کو ضرب لگایا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا اور دوسرا ان سے بھاگ گیا یہاں تک کہ وہ مدینہ پہنچا اور مسجد میں دوڑتے ہوئے داخل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اس نے کوئی خوفناک معاملہ دیکھا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: اللہ کی قسم میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور ضرور میں بھی قتل کیا جانے والا ہوں۔ پھر ابوبصیر آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بہت ہی ہوشیار ہے جنگ کو بھڑکا دے گا، اگر کوئی ان کے لئے ہو جائے پس جب انہوں نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے حوالے کر دیں گے تو وہ نکلے یہاں تک کہ ساحل سمندر پر آ پہنچے، انہوں (یعنی راوی) نے کہا: اور ابوجندل بن سہیلؓ چھوٹ کر ابوبصیرؓ سے جا ملے اب قریش کا جو کوئی آدمی مسلمان ہو کر نکلتا

معاہدہ میں اس کی شرط لگائی جائے۔ چنانچہ ایک جماعت نے کہا واجب نہیں ہے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ آیت منسوخ ہے اور یہ عطا اور مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا وہ منسوخ نہیں ہے، امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول میں ہے کہ وہ اس کو نہیں دیا جائے گا اور یہ ہمارا، امام مالک کا اور امام احمد کا قول ہے اور ایک قول میں ہے کہ وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ (ماخوذ از مرقاۃ و فتح القدیر)

وہ ابوبصیرؓ سے جاملتا۔ یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھا ہوگئی۔ پس اللہ کی قسم یہ (حضرات) شام کی طرف روانہ ہونے والے قریش کے جس کسی قافلہ کے بارے میں سنتے اس کے درپے ہوکر ان کو قتل کرتے اور ان کے اموال لے لیتے۔ پس قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر اپیل کرتے ہوئے روانہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس یہ بات روانہ کریں کہ جو آپ کی خدمت میں آجائے وہ مامون ہوجائے گا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس یہ بات پہنچادی۔ (بخاری)

(268/5158) امام طحاوی رحمہ اللہ نے مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ 1 حل میں تھا اور آپ کا مصلی حرم میں تھا۔

---

1 (۱) قولہ : خباء ہ فی الحل و مصلاہ فی الحرم الخ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ حل میں اور آپ کا مصلیٰ حرم میں تھا'' اور امام طحاوی نے فرمایا: پس ہم نے جو ذکر کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کے باہر روکے نہیں گئے تھے اور آپ حرم کے ایک حصہ میں پہنچ گئے تھے اور کسی بھی عالم کے قول میں اس شخص کے لئے جو حرم کے کسی حصہ میں داخل ہونے کی قدرت رکھتا ہے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے قربانی کے جانور کو حرم کے باہر ذبح کرے۔ پس جب اس حدیث سے جسے ہم نے ذکر کیا یہ ثابت ہوگیا کہ حرم کے ایک حصہ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہورہی تھی تو آپ کا قربانی کے جانور کو غیر حرم میں ذبح کرنا محال ہے کیونکہ جو لوگ غیر حرم میں قربانی کے جانور کے ذبح کو جائز قرار دیتے ہیں وہ صرف حرم سے روک دیئے جانے کی حالت میں اس کو جائز قرار دیتے ہیں اس میں داخل ہونے کی قدرت کی حالت میں نہیں۔

پس ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے اس بات کی نفی ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کے باہر قربانی کے جانور کو ذبح کیے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔

اور تفسیر مدارک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اسئلوا ما انفقتم". "اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ ان سے طلب کرلو" کے بارے میں ہے کہ وہ منسوخ ہے، پس مہر کا مطالبہ باقی نہ رہا نہ ہم سے اور نہ ان سے اور ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک اس صلح کی بات ہے جو (حدیبیہ کے) کے قصہ میں مشرکین کے ساتھ اس بات پر واقع ہوئی کہ ان کو وہ شخص واپس کردیا جائے گا جو ان کے پاس سے مسلمان ہوکر مسلمانوں کے ملک کو آجائے تو وہ ہمارے پاس منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ حدیث ہے:

"انا بریئ من کل مسلم بین مشرکین"

"میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان میں ہے"

(269/5159) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر مصالحت فرمائی [1]

(1) آپ کے پاس جو بھی مشرکین کے پاس سے آئے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو

---

[1] قولہ: صالح النبی صلی اللہ علیہ وسلم المشرکین یوم الحدیبیة علی ثلاثة اشیاء الخ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین چیزوں پر مصالحت فرمائی"۔ شیخ ابن ہمامؒ نے کہا: اگر دشمن مسلمانوں کا محاصرہ کرلیں اور مال پر صلح کرنے کا مطالبہ کریں کہ جس کو مسلمان انہیں ادا کریں تو امام اس طرح کی صلح نہیں کرے گا، کیونکہ اس میں ایک قسم کی ذلت ہے اور مومن کے لئے اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عزت ایمان کی خاصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " و للہ العزة و لرسولہ و للمومنین" مگر جب امام اپنے آپ پر اور مسلمانوں پر ہلاکت کا اندیشہ کرے تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ان کی طرف لوٹا دیں گے۔

(2) اور جو مسلمان ان کے پاس چلے جائے اس کو وہ واپس نہیں کریں گے۔

(3) اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (مکہ) میں آئندہ سال داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہیں ہوں گے مگر ہتھیار کو، تلوار کو اور کمان اور اس جیسی چیزوں کو تھیلے میں چھپائے ہوئے داخل ہوں گے۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابوجندل اپنی بیڑیوں میں لڑکھڑاتے ہوئے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی طرف واپس کر دیا۔ (بخاری ومسلم)

(270/5160) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصالحت کی، پس انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شرط لگائی کہ تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آجائے ہم اسے تم کو واپس نہیں کریں گے۔ اور ہم میں سے جو تمہارے پاس آجائے تو تم اسے ہم کو واپس کر دیں گے۔ پس صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ لکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ بے شک ہم میں سے جو شخص ان کی طرف چلے جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آجائے تو عنقریب اللہ اس کے لئے کشادگی اور کوئی راہ پیدا کر دے گا۔ (مسلم)

(271/5161) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیا، یہاں تک کہ آپؐ نے ان کے ساتھ اس بات پر مصالحت فرمائی کہ آپؐ داخل ہوں گے یعنی آئندہ سال، وہاں تین دن قیام فرمائیں گے۔ پس جب انہوں نے صلح نامہ لکھا تو انہوں نے (اس طرح) تحریر کیا، یہ وہ (صلح) ہے جس پر محمد رسول

اللہ نے صلح کی ہے تو انہوں (یعنی کفار) نے کہا: ہم اس کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ اگر ہم یقین کرتے اور جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو روکتے نہیں تھے، لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں رسول اللہ ہوں اور میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (لفظ) رسول اللہ کو میٹ دو، انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم میں کبھی بھی نہیں میٹوں گا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (قلم) لیا اور آپ خوب نہیں لکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا یہ وہ (صلح) ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گے سوائے تلوار کے جو میان میں ہو۔ اور یہ کہ اس شہر مکہ کے باشندوں میں سے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنا چاہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لے کر نہیں جائیں گے اور یہ کہ آپ اپنے صحابہ میں سے کسی کو نہیں روکیں گے اگر وہ اس میں رہنا چاہے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں (مکہ میں) داخل ہوئے اور مدت ختم ہوگئی تو وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا آپ اپنے صاحب سے کہیے کہ آپ ہمارے پاس سے چلے جائیں۔ پس مدت مقررہ گزر چکی ہے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ (متفق علیہ)

(272/5162) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے عورتوں کی بیعت کے بارے میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی بنا پر ان کا امتحان لیتے تھے:

"یا آیھا النبی اذا جاء ک المومنات یبایعنک"

"اے پیغمبر! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں اس غرض سے آئیں کہ وہ تم سے بیعت کریں" (سورہ ممتحنہ :۱۲) پس ان میں سے جو کوئی اس شرط کا اقرار کرتی تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں تم سے بیعت لے لیا، وہ کلام کے ذریعہ ہوتا جو آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اس سے فرماتے، خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک بیعت میں کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں ہوا۔ (بخاری ومسلم)

(273/5163) امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے چند عورتوں کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ان چیزوں میں ہیں جن کی تم استطاعت اور طاقت رکھتی ہوں، میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہم پر ہمارے اپنے جانوں پر مہربان ہونے سے زیادہ مہربان ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ ہم سے بیعت لیجئے، یعنی آپ ہم سے مصافحہ کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سو عورتوں کیلئے وہی بات ہے جو ایک عورت کیلئے ہے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام مالک نے اس کو موطا میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا: حدیث حسن صحیح ہے)

(274/5164) مسور رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ اور مروان سے روایت ہے کہ انہوں نے (یعنی کفار نے) دس سال تک جنگ نہ کرنے کی صلح کی[1] جسمیں لوگ امن سے رہیں گے اور اس شرط پر کہ یہ ہمارے درمیان بند صندوق کی طرح محفوظ معاہدہ ہے اور یہ کہ تلوار بے نیام کی جائے گی اور نہ زرہ بکتر پہنی جائے گی۔ (ابوداؤد)

---

1 (۱) قولہ: انهم اصطلحوا على وضع الحرب عشر سنين ''انہوں نے دس سال تک جنگ نہ کرنے پر مصالحت کی''۔ شیخ ابن ہمام نے کہا: صلح کی مدت کا جواز مذکورہ مدت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور وہ (مذکورہ مدت) دس سال کی ہے، کیونکہ جس چیز کو اس کے جواز کی علت قرار دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی ضرورت ہے یا ان کی مصلحت کا پایا جانا ہے، کیونکہ بسا اوقات وہ اس سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب مصالحت کرنا یا اس میں بیان کردہ مدت مسلمانوں کے حق میں

(275/5165) امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابواب قصۃ الحدیبیہ میں عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً روایت کی ہے اور انہوں نے اس قصہ کا ذکر کیا اور اس کے آخر میں ہے کہ صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان دو سال کے لئے تھی اور صاحب عنایہ نے کہا بیان کردہ مدت جو دس سال ہے ان مقررہ چیزوں میں سے ہے جو زیادتی اور نقصان کے لئے مانع نہیں۔ کیونکہ صلح کی مدت مصلحت کے ساتھ چلتی ہے اور وہ کبھی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی ہے۔

(276/5166) صفوان بن سلیم، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صاحبزادوں سے اور وہ اپنے آباء سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: خبردار جو کسی معاہد (جس سے معاہدہ کیا گیا ہو) پر ظلم کرے یا اس کی بے عزتی کرے یا اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لے یا بغیر خوشدلی کے اس سے کوئی چیز لے تو میں قیامت کے دن اس کا دعویدار ہوں (ابوداؤد)

بہتر نہ ہو تو وہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صورتاً معناً جہاد کو ترک کردینا ہے اور اس کو صرف اس بناء پر جائز رکھا گیا ہے کہ یہ ایک اعتبار سے جہاد ہے اور وہ صرف اسی وقت جائز ہوگی جبکہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو ورنہ یہ صورت مامور بہ کو چھوڑ دینے کی ہے۔ اب اس سے وہ (اعتراض) دفع ہوجاتا ہے جو بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ صلح دس سال سے زیادہ ہو تو منع ہے، اگرچہ کہ امام کی کوئی پشت پناہی نہ ہو اور یہ امام شافعیؒ کا قول ہے اور اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی مدت کو مقرر کرنا امام کی رائے اور مقتضائے حال کے حوالے ہے۔ (مرقاۃ)

باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

10/188 یہود کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِم ھٰذَا وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ اِنْ شَآءَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْم.

''بلاشبہ مشرک ناپاک ہیں، پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس آنے نہ پائیں اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو عنقریب تم کو اپنے فضل سے مالدار کردے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے''۔ (سورہ توبہ، آیت:۲۸)

(277/5167) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: مجھ کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میں یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا 1 یہاں تک کہ میں اس میں سوائے مسلمان کے کسی کو نہیں رکھوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے بخدا اگر میں رہوں تو انشاء اللہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا۔

---

1 قولہ: لاخرجن الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب الخ ''میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا''۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتفاق نہیں ہوا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو خیبر سے ملک شام کی طرف نکال دیا۔ شامی نے یعنی مولف کے قول ''ارض العرب'' (کے بارے میں) کہا: مختصر تقویم البلدان میں ہے کہ

جزیرہ عرب کی پانچ قسمیں ہیں۔تہامہ،نجد،حجاز،عروض،یمن۔(۱) جہاں تک تہامہ کی بات ہے تو وہ حجاز کے جنوبی جہت میں ہے۔(۲) نجد تو اس سے مراد وہ حصہ ہے جو حجاز اور عراق کے درمیان میں ہے۔(۳) لیکن حجاز وہ یمن کے مقابل ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو شام تک جاملتاہے اور اسی میں مدینہ منورہ اور عمان ہے۔ (۴) عروض وہ یمامہ ہے جو بحرین تک چلا گیا۔حجاز کو حجاز اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نجد اور یمامہ کے درمیان آڑ ہے،کسی شاعر نے اس کے طول وعرض کی حد کو اپنے اس شعر نظم کیا ہے۔

جزیرة هذه الاعراب حدت بحد علمه للحشر باقی

ان عرب باشندوں کے جزیرہ کی حد بندی کی گئی ایسی سرحد سے جس کا نشان تاحشر باقی رہنے والا ہے۔

فاما الطول عند محققیه فمن عدن الی ربو العراق

اب رہا محققین کے نزدیک اس کا طول تو وہ عدن سے لے کر عراق کے ٹیلوں تک ہے۔

و ساحل جدة ان سرت عرضا الی ارض الشام بالاتفاق

اور اگر تم عرض میں چلو تو بالاتفاق جدہ کے ساحل سے سرزمین شام تک ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعی و دیگر علماء رحمۃ اللہ علیہم نے جزیرہ عرب سے کافر کے نکالنے کو واجب قرار دیا اور کہا کہ اس میں ان کو مکان بنانے کی قدرت دینا جائز نہیں ہے۔صاحب بدائع نے کہا: اب رہا سرزمین عرب تو اس میں نہ تو نصاریٰ کی عبادت گاہ کو باقی رکھا جائے گا اور نہ یہود کی کسی عبادت گاہ کو،اور نہ وہاں شراب اور سور کی خرید وفروخت کی جائے گی خواہ وہ شہر ہو یا دیہات یا عرب کے کسی تری کے علاقہ میں ہو۔اور مشرکین کو سرزمین عرب کو مسکن اور وطن بنانے سے روکا جائے گا۔اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ

سرزمین عرب کو دوسری زمین پر فضیلت دینے کیلئے اور اس کو باطل دین سے پاک کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوسکتے اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حکم تمام جزیرہ عرب کے لئے ہے یا اس کے کچھ علاقہ کے لئے۔ پس ہمارا (احناف کا) مذہب پہلا قول ہے۔ اور نیز یہ کہ یہ حکم تمام جزیرہ عرب کو شامل ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ دوسرے قول کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے اس حکم کو حجاز کے ساتھ خاص کیا، پھر انہوں نے کہا: کفار کو حجاز کا بار بار سفر کرنے سے نہیں روکا جائے گا اور ان کو اس میں تین دن سے زیادہ اقامت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اور صاحب درمختار و صاحب ردالمحتار نے کہا: اگر وہ تجارت کے لئے داخل ہو تو جائز ہے لیکن وہ طویل قیام نہیں کرسکتا، پس اس کو وہاں اس قدر طویل قیام سے روکا جائے گا کہ وہاں کوئی رہائش گاہ بنالے کیونکہ جزیہ کے لزوم کے ساتھ عرب کی زمین پر قیام کرنے میں ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے بلا جزیہ غیر عرب کی زمین پر ان کا قیام کرنا ہے۔ وہاں ان کو تجارت سے نہیں روکا جائے گا، صرف طویل قیام سے روکا جائے گا۔ پس یہی حکم سرزمین عرب کا ہے (شرح سیر) اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ طویل قیام کی حد ایک سال ہے۔ تم غور کرو؟

اب رہا کافر کا مکہ مکرمہ اور اس کے حرم میں داخل ہونا تو وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس جائز نہیں ہے اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان کے مسجد حرام میں داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''بلاشبہ مشرک ناپاک ہے، پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس آنے نہ پائیں'' (توبہ:۲۸) ان کے پاس قریب نہ ہونے سے مراد داخل نہ ہونا ہے، آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ان کو خاص طور پر مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا جائے گا اور امام مالک رحمہ اللہ اس کو جس طرح مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے دیگر مساجد میں بھی

داخل ہونے سے اس کو روکتے ہیں اور ہمارے پاس قریب نہ ہونے سے مراد حج اور عمرہ کے لئے قریب نہ ہونا ہے۔ یعنی وہ حج اور عمرہ کی خاطر مسجد حرام میں داخل نہ ہوں اور انہیں اس میں اور دیگر مساجد میں مطلق داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "بعد عامهم هذا" اس سال کے بعد۔ یہ ہماری تائید کرتا ہے، کیونکہ دخول کے ساتھ اس سال کے بعد کی قید لگی ہوئی ہے، اس لئے مطلق دخول سے روکنا مناسب نہیں ہے۔ برخلاف حج اور عمرہ کے، اس سے ان کو روکا جائے گا کیونکہ وہ ایک سال کے بعد ہی ہوتا ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ دوسری مرتبہ وہ حج نہ کرسکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "وان خفتم عيلة فسوف يغنيكم الله من فضله ان شاء الله" . "اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے تو عنقریب تم کو اپنے فضل سے بے نیاز کردے گا"۔ یہ بھی ہماری تائید کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں فقر و فاقہ کا اندیشہ اس وجہ سے ہو کہ کفار جوق در جوق حج کے لئے مسجد حرام آتے تھے، اور وہاں تجارت کرتے تھے، اگر ہم ان کو روک دیں تو ضرور تجارت کا عمل فوت ہوجائے گا جبکہ وہ ہماری بقاء کا سبب ہے اور ہم فقر و فاقہ کی وجہ سے کمزور پڑ جائیں گے تو تم اس کا اندیشہ نہ کرو، کیونکہ اللہ چاہے گا تو عنقریب اپنے فضل سے مال غنیمت، بارش، نبات او زمانہ اسلام کے حج کے سامان تجارت وغیرہ کے ذریعہ تم کو بے نیاز کردے گا، لہذا صرف حج اور عمرہ کے لئے داخل ہونے سے روکنے کے معنی ہی مناسب ہے، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ اگر اس میں صرف داخل ہونے سے روکنا مراد ہوتا تو وہ اس سے فقر کا اندیشہ نہ کرتے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسجد حرام میں داخل نہ ہوں اور شہر مکہ مکرمہ میں تجارت میں مشغول ہوں اور وہ ان کی بقا کا سبب ہو۔ انتہی۔

اور تفسیر مدارک میں: "فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا" . "پس اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں" اس سال کے بعد نہ حج کریں

(278/5168) اور احمد نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے سب سے آخری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی (وہ یہ ہے): اہل حجاز کے یہود کو اور اہل نجران کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ 1

اور نہ عمرہ جیسا کہ وہ دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے اور وہ سال ۹ھ کا ہے، جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج بنائے گئے تھے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان کو حرم اور مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا اور امام شافعیؒ کے پاس خاص طور پر مسجد حرام میں داخل ہونے سے ان کو روکا جائے گا، اور امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اس میں اور دیگر مساجد میں بھی داخل ہونے سے ان کو روکا جائے گا۔ (ماخوذ از بذل المجہود، مرقاۃ، عرف شذی، درمختار، ردالمختار، تفسیرات احمدیہ)

1 (۱) قولہ : اخرجوا یھود اھل الحجاز واھل نجران من جزیرۃ العرب. ''اہل حجاز کے یہود اور اہل نجران کو جزیرہ عرب سے نکال دو'' کہا گیا ہے کہ: امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث شریف ہے، جو مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ الخ۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کو حجاز سے نکال دیا تو ان میں کے بعض ملک شام چلے گئے اور بعض کوفہ میں بس گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو نکال دیا تو وہ خیبر میں چلے گئے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ جزیرۂ عرب سے مراد صرف حجاز ہی ہو۔

اور اس استدلال کے چند جوابات دیئے گئے ہیں۔

[1] منجملہ ان کے ایک جواب یہ ہے کہ اگرچہ کہ جزیرہ عرب کو حجاز پر محمول کرنا ہے کُل کا جزء پر اطلاق کے طور سے مجازاً درست ہے۔ مگر وہ اپنے عکس سے یعنی حجاز کہہ کر جزیرۃ العرب مراد لینے کی صورت میں یا تو اس کے معارض ہوگا کیونکہ وہ جزیرۃ العرب سمندروں سے گھرے

ہم کہتے ہیں یہ حدیث شریف جس میں حجاز سے نکال دینے کا حکم ہے اسی میں اہل

ہوئے ہونے کی وجہ سے جیسا کہ وہ گھرا ہوا ہے پانچ سیاہ پتھریلی زمینوں سے اور یا تو جز کا گُل پر اطلاق کر کے مجازاً حجاز سے جزیرۃ العرب مراد لیا جائے گا۔ پس دونوں مجازوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور ان کے پاس کسی مجاز کے لئے سوائے دعویٰ کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

[2] اور ایک جواب یہ ہے کہ جزیرہ عرب کی حدیث میں جو اضافہ مروی ہے وہ حدیث کے کسی حکم کو بھی نہیں بدلتا اور ایسی زیادتی مقبول ہے۔

[3] اور ایک جواب یہ ہے کہ غیر حجاز میں ان کو رکھنے کے لئے علت کا استنباط یہ ثبوت حکم کی فرع یعنی ان کو برقرار رکھنے کی مصلحت ہے، کیونکہ فرع کی علت اصل کا حکم ثابت ہونے کے بعد اصل ہی کے حکم سے اخذ کی جاتی ہے اور یہاں دلیل تقریر (برقرار رکھنے) کی نفی ہی کو بتا رہی ہے، نہ کہ اس کے ثبوت کو کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ مسلمان اور کافر دونوں کی آگ ایک ساتھ نہیں دیکھی جاسکتی اور ایک حدیث میں ہے کہ جزیرۃ العرب میں دو دین نہیں ہو سکتے اور اس جیسی دوسری احادیث شریفہ۔

پس یہ استنباط ایسی نص کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جس میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اس میں علت دو دینوں کے اکٹھا ہونے کی کراہت ہے۔ پس اگر ہم یہ مان لیں کہ نص ان کو حجاز سے نکالنے کے لئے وارد ہوئی ہے تو ضرور بقیہ جزیرۃ العرب کو اس علت کی وجہ سے اس کے ساتھ شامل کرنا متعین ہوگا۔ اب جبکہ نص صحیح میں ان کو جزیرہ عرب سے نکالنے کی صراحت موجود ہے، تو پھر ان کی بات کیسے صحیح ہوگی۔ و نیز ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا خلاصہ جس میں لفظ ''اہل حجاز'' کی صراحت ہے موجود ہے، اس کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ کی

نجران کو نکال دینے کا حکم ہے حالانکہ نجران حجاز سے نہیں ہے پس اگر لفظ حجاز فی نفسہ جزیرہ عرب کے لفظ کو خاص کرتا ہو یا اس بات پر دلالت کرنے والا ہو کہ جزیرہ عرب سے مراد صرف حجاز ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے تو ایسی صورت میں ضرور حدیث شریف کے بعض حصہ کو ترک کرنا اور بعض پر عمل کرنا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

(279/5169) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

حدیث کے واضح الفاظ کے معارض ہے جس میں جزیرۃ العرب کے لفظ کی صراحت ہے۔ موجود ہے اور کوئی مفہوم کسی حدیث کے واضح الفاظ کے ساتھ معارضہ کی قوت نہیں رکھتا، تو اس کو اس پر ترجیح کیسے دی جاسکے گی۔ اگر تم یہ کہو کہ لفظ ''جزیرۃ العرب'' جو اپنے اجزاء ہونے کی وجہ سے عام کے درجہ میں ہے، کیا تخصیص بالمفہوم کو جائز قرار دینے والوں کے پاس لفظ ''حجاز'' کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے؟ تو میں کہوں گا کہ یہ مفہوم مخالف ہے اور محققین ائمہ اصول کے پاس اس پر عمل نہیں ہے، اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ سوائے حضرت دقاق کے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے اور سوائے ابوثور کے تمام اصولیین کے پاس یہ بات طے ہے کہ جو بات اس قبیل کی ہوتی ہے وہ ان بعض افراد پر دلالت تنصیص کے قبیل سے ہے، تخصیص کی قبیل سے نہیں ہے۔ (نیل الاوطار)

1 قولہ: اخرجوا المشركين من جزيرة العرب الخ. (مشرکین کو تم جزیرۃ العرب سے نکال دو) یعنی یہود و نصاریٰ کو۔ اور وہ اہل کتاب کے مشرکین ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور اسی طرح مجوس اور دیگر مشرکین کو بھی نکالا جائے گا، یہ بات صاحب بذل المجہود نے بیان کی ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے مشکل الآثار میں کہا: اس حدیث اس حکم کا خلاف ہے جس کی روایت ہم نے اس سے پہلے اسی باب میں کی ہے تو پھر وہ کون لوگ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرکین کو تم جزیرہ عرب سے نکال دو 1 اور وفد کے ساتھ سلوک میں ایسا ہی اہتمام کرو جیسے میں ان کے ساتھ کرتا تھا۔ (متفق علیہ)

علامہ ہروی نے صحیح مسلم کی شرح میں کہا: سعید بن جبیر نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہ

نے جزیرہ عرب سے نکال دینے کا حکم دیا ہے؟ کیونکہ اس باب میں ہماری روایت کردہ سابقہ حدیث میں جن لوگوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینے کا حکم دیا گیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ لفظ ابن عُیینہ ہی کی جانب سے آیا ہے کیونکہ وہ اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے، لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے یہود و نصاریٰ کی جگہ مشرکین کا لفظ رکھ دیا ہو، اور ان کو اس قدر فقہی ملکہ نہ تھا کہ جس سے وہ دونوں لفظوں میں امتیاز کرسکیں اور اس بارے میں حقیقتِ امر سے اللہ تعالیٰ ہی بخوبی واقف ہے مگر یہ کہ ایک شخص کے مقابلہ میں تین افراد کا حافظہ زیادہ لائق اعتبار ہے لہٰذا ان تینوں نے جو لفظ یاد رکھا ہے وہ ایک آدمی کے اس لفظ سے زیادہ معتبر ہے جو تین آدمیوں کی مخالفت کرتا ہے اور ہم نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل یہ حدیث شریف ہے: حدثنا الربیع المرادی قال حدثنا اسد بن موسیٰ قال ثنا جریر بن عبد الحمید عن قابوس بن ابی ظبیان عن ابیہ عن ابن عباس. ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک زمین پر دو قبلے درست نہیں ہوسکتے اور مسلمان پر کوئی جزیہ نہیں ہے، پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا "لایصلح قبلتان بارض". "ایک زمین پر دو قبلے درست نہیں ہوسکتے" فرمانے کے بعد "ولیس علی مسلم جزیۃ" ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جس پر کوئی جزیہ نہیں ہے وہ وہی ہے جو اپنے اسلام سے پہلے جزیہ پر (پابند) تھا، اور وہ یہود و نصاریٰ ہی ہیں نہ کہ مشرکین عرب اور حضور

نے تیسری بات سے سکوت اختیار کیا وہ کہے بھی ہوں تو وہ مجھ سے بھلا دی گئی۔

(280/5170) ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ آخری وصیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی آپ نے ارشاد فرمایا: جزیرہ عرب میں دو دین نہیں ہو سکتے۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو کسی دین کو اختیار کرتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جن کا کوئی دین ہی نہیں ہے اور اور یہود و نصاریٰ کا ان کا اپنا ایک دین ہے لہٰذا وہ اہل قبلہ ہیں، اور مشرکین کسی دین کے پیروکار نہیں ہیں، لہٰذا وہ اہل قبلہ نہیں ہیں، اور اس میں ایک لطیف معنی ہے جس سے واقف ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری یونس سے روایت کردہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیت فرمائی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے وقت کی بات ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ شرک اور مشرکین کو ختم کردیا تھا اس طرح سے کہ مشرکین اسلام قبول کرلئے تھے یا جو اسلام قبول نہیں کیے تھے وہ قتل کردیئے گئے تھے جیسا کہ اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: " ولہ اسلم من فی السماوات والارض طوعا و کرھا" حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو (مخلوق) ہے وہ خوشی یا ناخوشی اسی کی فرمانبردار ہے"۔ اور جنہوں نے خوشی یا ناخوشی اسلام قبول کیا وہ وہی لوگ ہیں جو اسلام قبول کیے اور ان کے سوا جو لوگ ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں قتل نے فنا کردیا۔ پس جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو کچھ وصیت فرمائی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اس وقت کوئی مشرک نہ تھا تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر موجود لوگوں کو نکالنے کی وصیت فرمائے ہوں، درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ان لوگوں کو نکالنے کی تھی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

(281/5171) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس اثناء میں کہ ہم مسجد میں تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود کی طرف چلو، پس ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم توراۃ پڑھنے کے مقام پر آئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا: اے گروہ یہود! تم اسلام قبول کرو سلامت رہو گے، تم یہ بات جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور بے شک میں تم کو اس سرزمین سے نکال دینا چاہتا ہوں، پس تم میں سے جو کوئی اپنے مال کے بدلہ کوئی چیز (قیمت) پاتا ہے تو اس کو فروخت کر دے۔ (متفق علیہ)

(282/5172) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، پس آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ان کے اموال پر معاملہ کیا 1 اور آپ نے ارشاد فرمایا: ''جب تک تم کو اللہ برقرار رکھے ہم برقرار رکھیں گے''۔ اور میری رائے ان کو جلاوطن کرنے کی ہو چکی ہے پس جب عمرؓ نے اس کا تہیہ کر لیا تو آپ کے پاس قبیلہ بنی ابی الحقیق کے ایک شخص نے آکر عرض کیا: اے امیر المومنین کیا آپ ہم کو نکال دیتے ہیں جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو برقرار رکھا اور اموال پر ہمارے ساتھ معاملہ کیے، پس عمرؓ نے کہا کیا تو سمجھتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بھول گیا ہوں؟ تیرا کیا ہو گا اس وقت جب تجھ کو خیبر سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ تیری اونٹنی تجھے لیکے بعد دیگر راتوں میں لیکر دوڑ رہی ہو گی، تو اس

---

1 قوله: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان عامل يهود خيبر الخ. ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ معاملہ کیا''۔ تم یہ جان لو کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے پاس مزارعت درست نہیں ہے اور صاحبین کے پاس ضرورت کی خاطر اور مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے چند شرائط کے ساتھ درست ہے، اسی پر فتویٰ دیا

نے کہا: یہ ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بطور مذاق فرمایا تھا، تو آپ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہتا ہے، پس عمرؓ نے ان کو جلاوطن کردیا اور ان کو ان کے پھلوں کی قیمت، مال و دولت اور اونٹوں اور ساز و سامان جیسے کجاوے اور رسیوں وغیرہ کی شکل میں عطا

جاتا ہے، منجملہ ان شرائط میں سے ایک شرط مدت کو بیان کرنا ہے اور کہا گیا ہے کہ ہمارے ملکوں میں مدت کو بیان کیے بغیر بھی درست ہے اور اس پر اسی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے اور صرف پہلی کاشت تک اس کی مدت رہے گی، اور اسی پر فتویٰ ہے (مجتبیٰ، بزازیہ) اور بزازیہ کی عبارت اس طرح ہے: اور امام محمد رحمہ اللہ سے بیان مدت کے بغیر اس کا جواز مروی ہے لیکن اس کی مدت سب سے پہلے نکلنے والی ایک ہی کاشت تک رہے گی، اور اسی قول کو فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ نے اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے صرف کوفہ اور اس جیسے شہروں میں مدت کو بیان کرنا شرط قرار دیا کیونکہ اس کا وقت ان کے پاس مختلف ہوتا ہے اور ان کے پاس اس کی ابتدا اور انتہا بھی معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن صاحب فتویٰ قاضی خانؒ نے اس کے بعد کہا: فتویٰ پہلے قول پر ہے اور پہلے قول کے قائل نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ معاہدہ کی مدت کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا عزم کیے ہوئے تھے اور کہا گیا کہ یہ ابتداء اسلام میں حضرت نبی اکرمؐ کی خصوصیت کے بطور جائز تھا۔ صاحب شرنبلالیہ نے کہا: پس یہ حدیث قول مفتی بہ کے معارض ہے اور فریقین کے تمام دلائل بڑی کتابوں میں شرح و بسط کیساتھ مذکور ہیں۔ (ملخص از در مختار، رد المحتار، مرقاۃ)

فرمائی۔ (بخاری)

11/189 باب الفیٔ 1

فیٔ کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

”وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شئی قدیر“

”اور جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو اس کیلئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس کسی پر چاہتا ہے مسلط کردیتا ہے اور اللہ ہر چیز

---

1 **قولہ: الفئی.** جان لو کہ مسلمانوں کے بیت المال چار قسم کے ہیں، ہر بیت المال کا ایک خزانہ اور اس کا ایک مصرف ہے۔

[1] پہلی قسم مال فیٔ ہے، یعنی زمین کا محصول، جزیہ، قبیلہ تغلب سے لیا ہوا مال، اور حربیوں کا امام کو دیا ہوا ہدیہ اور وہ (مال ومتاع) جسے حربیوں سے ہم بغیر لڑائی کے حاصل کرلیں اور سی قسم سے وہ مال ہے جس کو عاشر حربیوں اور ذمیوں سے وصول کرتا ہے، جبکہ وہ اس کے پاس سے گزرتے ہیں اور اہل نجران کا مال اور وہ مال جس پر اسلامی لشکر کے حربیوں کے علاقہ میں پہنچنے سے پہلے ان سے جنگ نہ کرنے پر صلح کرلی جائے۔ ان سب میں ہمارے (احناف کے) پاس کوئی خمس نہیں ہے، یہ سارے اموال مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کیے جائیں گے، مثلاً سرحدوں کو بند کرنا یعنی فوج کے ذریعہ ان کی حفاظت کرنا اور ہتھیار فراہم کرنا اور جمع کرنا، عمارتوں اور پلوں کی تعمیر کرنا، قاضیوں کے روزینے،

صدقات وصول کرنے والے کارکنوں کے اور ساحلوں پر متعین دیدبانوں (نگرانی کرنے والوں کے روزینے مقرر کرنا، اوراسی طرح تفسیر، حدیث، فقہ ودیگر علوم شرعیہ کے علماء اور جنگجوؤں کے روزینے مقرر کرنا ونیز ان سب کی اولاد کونفقہ دینا، اس لئے کہ اولاد کا نفقہ آباء پر واجب ہے کیونکہ اگران کوان کا گزارہ نہ دیا جائے توان کوکسب معاش کی ضرورت ہوگی۔ ''بلا قتال'' (لڑائی کے بغیر) کی قیداس لئے لگائی گئی کہ ان کا جو مال لڑائی کے ذریعہ حاصل ہو اس کا خمس نکال کر اس کومجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ ''کسد الشغور ''میں کاف جوتمثیل کے لئے ہے اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ (مال فئی کی) یہ قسم دیگر رفاہی امور کے لئے بھی صرف کی جاسکتی ہے، جیسے چوپایوں اور ہتھیاروں کی فراہمی، مساجد اور سرایوں کی تعمیر، دشمن (کے مقابلہ) کے لئے تیاری کرنا، عوام الناس کے لئے نہریں کھودنا اوران کی مرمت کرنا، اور مساجد کے شعائر کو قائم کرنے میں یعنی امامت اور موذنی وغیرہ کے لئے صرف کرنا۔

[2] بیت المال کی دوسری قسم زکوۃ اور عشر ہے، ان کا مصرف وہی لوگ ہیں جن کو زکوۃ دینا جائز ہے اوراس کا بیان کتاب الزکوۃ میں گزر چکا ہے۔

[3] اور تیسری قسم اموال غنیمت ہیں اور کانوں اور دفینوں کا پانچواں حصہ ہے، ان کا مصرف وہ ہے جو اللہ تعالی نے اپنے قول ''فان للہ خمسہ ''الآیۃ میں بیان فرمایا اوراس کا ذکر کتاب السیر میں گزر چکا ہے۔

[4] اور چوتھی قسم وہ لقطہ (زمین پر گرا پڑا مال ومتاع) اور ترکہ ہے جن کا کوئی وارث نہ ہو اور ایسے مقتول کی دیت ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو اوران کا مصرف لقطہ کو اٹھانے والا تنگدست آدمی اور ایسے لاچار لوگ ہیں جن کے اولیاء نہ ہوں، ان کو اس (قسم) میں سے ان کی روزی روٹی اور دوا ڈوری کا خرچ دیا جائے گا، ان کے اموات کو کفنایا جائے گا اوران کے جنایات

پر قادر ہے''۔ (سورۃ الحشر: [6])

(283/5173) عدی بن عدی کندی کے فرزند سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فئی کے مصارف کے متعلق اس سے پوچھنے والے شخص کو لکھا کہ وہ وہی ہیں جن کا فیصلہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا تو مسلمانوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''جعل اللہ الحق علی لسان عمر و قلبہ'' کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان ودل پر حق کو جاری فرمادیا ہے'' کے موافق بالکل متوازن سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے عطیات مقرر کیے اور غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرکے ان کیلئے امان کا معاہدہ کیے (اور) اس کا خمس نہیں نکالے[1] اور نہ اس کو مال غنیمت قرار دیئے۔ اس

(جرائم) کا تاوان ادا کیا جائے گا۔

اور امام پر لازم ہے کہ وہ ان (چاروں قسموں میں سے ہر ایک قسم کا ایک علیحدہ و مخصوص بیت المال قائم کرے اور ایک قسم کو دوسری کے ساتھ خلط ملط نہ کرے۔ پس اگر ان میں سے کسی قسم (کے بیت المال) میں کچھ بھی مال نہ ہو تو اس کے لئے دوسری قسم سے قرض لے کر مستحقین میں صرف کرنا جائز ہے، پھر جب اس قسم میں کچھ مال آجائے تو اس کو اس قسم میں واپس ڈال دے جس میں سے قرض لیا گیا تھا البتہ خراج کے مستحقین یعنی فقراء پر صرف کیا ہوا مال اگر صدقات یا مال غنیمت کے خمس میں کا ہو تو ان میں کچھ بھی واپس نہ ڈالے، اس لئے کہ یہ لوگ صدقات کے مستحق ہیں اور دیگر قسموں کا یہی حکم ہے جب وہ ان کے مستحقین پر صرف کرے اور امام پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہر مستحق پر اس کی بقدر ضرورت بغیر کسی اضافہ کے صرف کرے۔ پس اگر وہ کسی بھی چیز میں کوتاہی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب لینے والا ہے۔ (تلخیص از شروح کنز)

1 قولہ: لم یضرب فیھا بخمس. ''اس کا خمس نہیں نکالے''۔ صاحب رحمۃ الامہ نے کہا: مال فئی وہ ہے جو کسی مشرک سے اس کے کفر کی بنا پر بغیر لڑائی کے لیا جائے، جیسے

روایت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے کتاب الخراج (زمین کے محصول کا بیان) میں ذکر کیا ہے (284/5174) روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ وصول فرمایا 1 اور

اشخاص کی حفاظت پر لیا جانے والا جزیہ، خراج کے نام پر وصول کیا جانے والا زمین کا محصول، وہ مال جس کو کفار خوف سے چھوڑ کر بھاگ جائیں، ارتداد کی بناء پر قتل کیے جانے والے مرتد کا مال، لاوارث مرنے والے کافر کا مال اور مسلمانوں کے ملک میں کفار کی آمد و رفت کے وقت ان سے لیا جانے والا عشر (مال کا دسواں حصہ) یا وہ مال جس پر ان سے مصالحت کرلی جائے، اب رہا یہ کہ کیا ان اموال کا خمس نکالا جائے یا نہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے اپنے صریح قول میں فرمایا ہے کہ یہ مال تمام مسلمانوں کا ہے لہٰذا اس کا خمس (پانچواں حصہ) نہیں نکالا جائے گا، بلکہ کل مال مسلمانوں کی مصلحتوں (فلاح و بہبود) کے لئے خاص ہوگا۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: یہ سب وہ فیٔ ہے جس کی تقسیم نہیں کی جاتی اور اس امام اس میں سے بقدر ضرورت لینے کے بعد مصالح مسلمین میں صرف کرے گا، امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا اس کا خمس نکالا جائے گا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو کیا کیا جائے؟ اس بارے میں ان کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ مصالح اہل اسلام کے لئے مخصوص ہے اور دوسرا یہ ہے کہ یہ مجاہدین کے لئے ہے۔

مال فیٔ کی کونسی قسم کا خمس نکالا جائے گا؟ (اس بارے میں بھی امام شافعیؒ کے) دو قول ہیں:

[1] قول جدید یہ ہے کہ فیٔ کی تمام قسموں کا خمس نکالا جائے گا اور یہ امام احمد کا بھی ایک قول ہے۔

[2] قول قدیم یہ ہے کہ صرف اس مال کا خمس نکالا جائے گا جس کو کفار خوف کے مارے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔

1 قولہ: روى أن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ الجزية ...... الخ.

اسی طرح عمرؓ و معاذؓ نے وصول کیا اور بیت المال میں رکھا گیا اور خمس نکالا نہیں گیا۔ (ہدایہ)

(285/5175) عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: بنونضیر کے اموال منجملہ اس مال فئی کے ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے رسول کو عطا کیا اور جن کے لئے مسلمان گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھے 1 جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کو ان کے سال بھر کا خرچ عطا فرماتے، پھر جو بچ جاتا اسے اللہ کے راستہ میں تیاری کے لئے ہتھیار اور چوپایوں میں لگا دیتے۔ 2 (بخاری ومسلم)

"روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ وصول فرمایا، یہ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کا قول ہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے آتش پرستوں اور نجران کے عیسائیوں سے جزیہ وصول فرمایا اور یمن کے باشندوں پر ہر بالغ شخص پر ایک دینار مقرر فرمایا اور اس بیر میں کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ آپؐ نے اس کا خمس نکالا، بلکہ وہ عامۃ المسلمین کے لئے تھا۔ اگر وہ (خمس نکالنا) ثابت ہوتا تو سند ضعیف سے ہی کیوں نہ ہو، ضرور منقول ہوتا، جیسا کہ محدثین کی عادت کا تقاضہ ہے اور چونکہ عادت کے تقاضہ کے خلاف ہونا باطل ہے، لہٰذا اس کا (تخمیس کا) ثبوت بھی باطل ہے بلکہ حدیث شریف میں اس کے خلاف وارد ہوا ہے، جس کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ابن عدی بن عدی کندی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (فتح القدیر)

1 قوله: فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة...... الخ. "پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھے"۔ ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں تصرف کا اختیار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منشاء کے مطابق حاصل تھا۔

2 قوله: ثم يجعل ما بقي في السلاح و الكراع عدة في سبيل الله. "پھر

(286/5176) مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن عمر بن خطابؓ نے فیٔ کا ذکر کر کے کہا: میں اس فیٔ کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں 1 اور

جو بچ جاتا اسے اللہ کے راستے میں تیاری کے لئے ہتھیار اور چوپایوں میں لگا دیتے"۔ ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں دارالحرب کے جس مال کے لئے مسلمان لڑائی کیے بغیر گھوڑے دوڑائے ہوں، وہ مال تمام اہل اسلام کے مصالح اور خرچ کیا جائے گا، جس طرح خراج اور جزیہ کو خرچ کیا جاتا ہے، مثلاً عمارتوں اور پلوں کی تعمیر میں اور سرحدوں کو بند کرنے میں، جو کسی ایک کی ملک نہ ہوں، دریائے سیحون جیحون، فرات اور دجلہ جیسی بڑی بڑی ندیوں کی کھدوائی میں جج اور محتسبین (اوزان و پیمانہ جات کی جانچ کے لئے مقرر کردہ آدمیوں)، اساتذہ اور مجاہدین کو روزینے فراہم کرنے کے لئے اور چوروں سے راستوں کی حفاظت کے لئے خرچ کیے جائیں گے، الغرض نہ تو کل فیٔ کسی کا خصوصی حق ہے اور نہ ہی اس کا کچھ حصہ یعنی اس میں یا اس کے کسی حصہ میں کسی کا کوئی خاص حق نہیں ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اموال فیٔ جزیہ کی طرح اور ان اراضی کی طرح ہیں جہاں کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا گیا ہو اور ان میں ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک کوئی خمس نہیں ہے۔

اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فیٔ کا خمس نہیں لیا جائے گا، جیسا کہ مال غنیمت کا خمس لیا جاتا ہے، بلکہ کل فیٔ اہل اسلام کے مراتب و درجات کے فرق کے مطابق ان کی مصالح کے لئے مختص اور ان کے پیش آنے والی مشکلات کے لئے محفوظ رہے گا۔ اکثر اصحاب فتویٰ کا مذہب یہی ہے سوائے امام شافعی رحمہ اللہ کے، کیونکہ ان کی رائے یہ ہے کہ فیٔ کا خمس نکالا جائے گا اور اس کے (ماقی) چار حصوں میں سے مجاہدین کو دیا جائے گا اور مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔ (ماخوذ مرقاۃ)

1 قولہ : ما انا احق بھذا ...... الخ. "میں اس فیٔ کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں"

نہ ہم میں سے کوئی اس کا کسی سے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر یہ کہ ہم سب اللہ عزوجل کی کتاب اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مراتب پر ہیں، چنانچہ کسی آدمی کی اسلام میں قدامت اور سبقت ہے اور کسی کی محنت ومشقت ہے اور کوئی آدمی عیال دار ہوتا ہے اور کوئی حاجتمند۔ (ابوداؤد)

لفظ ''احق'' میں اس بات کا اشارہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے اس طرح حقدار نہ تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقدار تھے۔ ان کا قول ''من کتاب اللہ عزوجل'' . ''اللہ عزوجل کی کتاب سے ثابت شدہ) ترکیب میں ''منازلنا'' کا حال ہے، یعنی جو کتاب اللہ سے ثابت ہیں، اور صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ''لیکن ہم کتاب اللہ میں بیان کردہ اپنے اپنے درجوں اور مرتبوں پر ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''للفقراء المھاجرین'' سے لے کر تین آیات اور اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ''والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار ...... الآیہ'' اور اس کے سوا دیگر وہ آیتیں جو مسلمانوں کے فرق مراتب کو واضح کرتی ہیں اور ان کا قول ''وقسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' . ''اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے ثابت شدہ'' جر (زیر) کے ساتھ ''کتاب اللہ'' پر عطف ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم سے ثابت ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرکاء بدر اور اصحاب بیعت رضوان اور دیگر غزوات کے معرکوں میں شریک صحابہ کے درمیان اور کثیر العیال شخص اور دیگر اشخاص کے مابین فرق کی رعایت فرماتے تھے، جس کی طرف سیدنا عمرؓ نے اپنے قول ''فالرجل و قدمہ والرجل و بلاؤہ والرجل عیالہ والرجل و حاجتہ''. ''چنانچہ کسی آدمی کی اسلام میں قدامت وسبقت ہے اور کسی کی محنت ومشقت اور کوئی آدمی کثیر العیال ہوتا ہے اور کوئی تو حاجتمند'' سے اشارہ کیا ہے۔ ''فالرجل و قدمہ، الخ'' کا جملہ ان کے قول: ''الا انا علی

(287/5177) ان ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: منجملہ ان کے جس سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا 1 یہ تھا کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین چیزیں مخصوص تھیں۔ بنونضیر، خیبر اور فدک جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا، اب رہا اموال بنی نضیر تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات وحوادث کے لئے مخصوص تھے، اور فدک

منازلنا، الخ" کی تفسیر کے بطور ہے۔

تورپشتیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ فئی کا خمس نہیں نکالا جائے گا، دراصل وہ تمام کا تمام عامۃ المسلمین کی ملک ہے، جو انہیں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، نفس استحقاق میں ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے، البتہ فرق ہے تو اختلاف درجات و مراتب کے مطابق صرف باہمی فضل وکمال کا ہے، اور وہ بھی یا تو ان کے استحقاق کے متعلق اللہ تعالیٰ کے صریح بیان سے ثابت ہے، مثلاً آیت میں مذکورہ لوگ خاص کر ان میں سے وہ حضرات مہاجرین وانصار جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول: "والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار". "اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے (اسلام قبول کرنے) میں سبقت کی" میں ہے۔ یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو مقدم فرمانے اور ترجیح وفوقیت دینے کی وجہ سے ہے یا مسلمان ہونے میں سبقت کرنے کی وجہ سے یا حسن کارکردگی ومحنت کی وجہ سے یا سخت محتاجی ومفلسی کی وجہ سے یا کثیر العیال ہونے کی بناء پر ہے (ماخوذ از مرقاۃ)

1 قوله: كان فيما احتج به عمر رضى الله عنه، الخ. "منجملہ ان کے جس سے عمر رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا" یعنی انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اس سے اس بات پر استدلال کیا کہ فئی میں خمس نکالا نہیں جائے گا اور صحابہ نے اس پر نکیر نہیں کی۔ (مرقاۃ)

مسافروں کے لئے مخصوص تھا۔ رہے اموال خیبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تین حصے بنائے 2: دو حصے عامۃ المسلمین کے لئے اور ایک حصہ اپنے اہل کے نفقہ کے لئے پھر اہل کے نفقہ سے جو بچ جاتا اسے تنگدست مہاجرین میں تقسیم فرمادیتے۔ (ابوداؤد)

(288/5178) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جس وقت خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے بنی مروان کو جمع کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فدک خاص تھا، پس آپ ﷺ اس (کے اموال) میں سے خرچ فرماتے اور اس سے بنی ہاشم کے بچوں کی خاطر و مدارات فرماتے اور اس سے ان کے غیر شادی شدہ کی شادی کرواتے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس (فدک) کو انہیں دے دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ پس وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اسی طرح رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وفات پائی، پھر جب حضرت

---

2 قولہ: و اما خیبر فجزأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة اجزاء، الخ. ''رہے اموال خیبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تین حصے بنائے'' شرح السنہ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا کہ خیبر کی بہت ساری بستیاں تھیں، جن میں سے بعض طاقت و غلبہ سے فتح ہوئے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کے خمس کا خمس تھا اور بعض بستیاں بغیر کسی لڑائی کے اور گھوڑے اور اونٹ دوڑائے بغیر ہی صلح سے فتح ہوئے تھے، اور یہ خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی ضرورت میں اور پیش آنے والے مسائل میں نیز مسلمانوں کے مصالح میں خرچ فرماتے۔ لہٰذا تقسیم و توازن کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکر اسلام کے درمیان سارے مال کے تین حصے بنائے جائیں۔ (مرقاۃ)

ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی وفات تک اس کے متعلق وہی طرز عمل اپنایا جو کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات میں اختیار فرمایا تھا۔ پھر جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کے متعلق ان (دونوں) کے طرز عمل کی طرح عمل کیا، یہاں تک کہ انہوں نے بھی وفات پائی۔ پھر مروان نے ان کو لے لیا۔ پھر وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ہو گیا ہے، تو میری رائے (فدک کے) اس معاملہ کے متعلق جس سے رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو روک دیا، یہ ہے کہ مجھے کوئی حق نہیں ہے اور میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں ان اموال کو اس حالت پر لوٹا دیا ہوں، جس حالت پر وہ تھے، یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں (ابوداؤد)

(289/5179) عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فئی (کا مال) آتا تو آپ ﷺ اس کو اسی دن تقسیم فرما دیتے تھے، پس آپ ﷺ اہل و عیال والے کو دو حصے فرماتے [1] اور غیر شادی شدہ کو ایک حصہ عطا فرماتے۔ چنانچہ مجھے بلایا گیا اور آپ ﷺ نے مجھے دو حصے عطاء فرمائے چونکہ میرے اہل تھے۔ پھر میرے بعد عمار بن یاسر کو بلایا گیا اور آپ ﷺ نے (انہیں) ایک حصہ عطا فرمایا۔ (ابوداؤد)

(290/5180) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] قولہ: فاعطی الاھل حظین، الخ. (پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم شادی شدہ کو دو حصے عطا فرماتے) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مال فئی سے مجاہدین اور ان کے بیوی بچوں کو روزینے دیئے جائیں گے۔ ''شرح درر البحار'' میں لفظ ''ذراری'' کی تفسیر بیوی اور بچوں سے کی گئی ہے۔ پس اگر ان کو ان کی بقدر ضرورت نہ دیا جائے تو وہ کسب معاش کے لئے مجبور ہو جائیں گے اور جہاد کے لئے فارغ نہ رہیں گے۔ (ماخوذ از ہدایے، ردالمحتار)

اور صاحب نیل الاوطار نے کہا: اور اس (حدیث) میں اس بات کی دلیل ہے کہ

دیکھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں پہلے جو بھی چیز آتی تو آپ ﷺ اس کو آزاد کردہ غلاموں سے شروع فرماتے۔ 1 (ابوداؤد)

(291/5181) ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چرمی تھیلی لائی گئی جس میں نگینے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد عورتوں اور باندیوں میں تقسیم فرمایا۔ ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے والد آزاد مردوں اور غلاموں میں (بھی) تقسیم فرماتے تھے۔ 2

عطیہ آدمی کے زیر کفالت عورتوں وغیرہ میں سے ان افراد کے برابر ہونا چاہیے جن کا نفقہ اس پر لازم ہے، اس لئے نان نفقہ کے ضرورت مند ہونے میں غیر زوجہ بھی زوجہ کی طرح ہے۔

1 **قولہ: بدأ بالمحررین ای المعتقین.** "نئے نئے آزاد کردہ غلاموں میں سے شروع فرماتے" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا اور وہ منجملہ آزاد شدہ غلاموں میں داخل رہتے تھے اور بعض شارحین نے فرمایا: یعنی مال فئی آنے کے اول وقت آپ صلی اللہ علیہ مکاتبوں کو حصہ دینے سے آغاز فرماتے۔ ابن ملکؒ نے کہا: یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے اخلاص کے ساتھ الگ تھلگ رہنے والے لوگ ہیں۔

2 **قولہ: کان ابی یقسم للحر والعبد.** "میرے والد آزاد اور غلام دونوں میں تقسیم کرتے" مطلب یہ ہے کہ آزاد اور غلام میں سے ہر ایک کو اس کی حاجت کے برابر فئی میں سے عطا کرتے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ غلام اور باندی سے مراد آزاد شدہ یا مکاتب ہیں کیونکہ مملوک کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا اور چونکہ اس کا نفقہ اس کے مالک کے ذمہ فرض ہے بیت المال کے ذمہ نہیں۔ (مرقاۃ)

باب الفئی ختم شد

(ابوداؤد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

19 کتاب الصید و الذبائح

شکار اور ذبیحہ کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

(1) "یَسْأَلُونَکَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ (1) مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰهُ فَکُلُوا مِمَّا أَمْسَکْنَ عَلَیْکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ"

"اے پیغمبر! لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کونسی چیزیں ان کے لئے حلال ہیں؟ کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہو (اور شکار کا طریقہ) جیسا کچھ تم کو اللہ نے سکھایا ہے ویسا ہی تم نے ان کو (بھی) سکھا دیا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اس کو کھالو اور شکاری جانوروں کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا

---

(1) قولہ: وما علمتم من الجوارح، الخ. "اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہو"۔ "الجوارح" سے وہ درندہ صفت چوپائے اور پرند مراد ہیں جو شکار کو حاصل کر کے لے آتے ہیں، جیسے کتا، چیتا، عقاب، شکرہ، باز اور شاہین وغیرہ جن کو کچلی اور پنجہ ہوتا ہے۔ یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایسی روایت ہے، اور یہ قول بیضاوی اور کشاف میں بھی مذکور ہے۔

ہے''۔ (المائدہ:4)

(2) ''أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعاً لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُماً وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِيَ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ''

''تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا حلال کردیا گیا ہے تاکہ اس سے خود تمہیں بھی فائدہ پہنچے اور دوسرے مسافروں کو بھی فائدہ پہنچے اور خشکی کا شکار جب تک احرام کی

اور صاحب مدارکؒ نے کہا ہے: ''الجوارح'' کا کلمہ ''الجراحۃ'' (زخم) سے بنا ہے لہٰذا شکار کے حلال ہونے کے لئے جانور کو اس کو زخمی کرنا شرط ہے، جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے اس کی صراحت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ''الجوارح'' سے ایک تاویل کے مطابق شکار کرنے والے جانور مراد ہیں۔ پھر آگے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''وما علمتم من الجوارح'' میں اس بات کا اشارہ ہے کہ زخمی کرنا مشروط ہے، اس لئے کہ یہ کلمہ ایک تاویل کے مطابق ''الجراحۃ'' (زخم) سے ماخوذ ہے اور ان دونوں صورتوں میں کوئی منافات نہیں اور امام ابو یوسفؒ نے پہلی تاویل کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو شرط نہیں قرار دیا۔

آیت کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کتے یا شکرہ کو شکار کے لئے روانہ کرے تو چند شرائط کے ساتھ اس کے لئے وہ شکار حلال ہو جاتا ہے:

1] پہلی شرط یہ ہے کہ کتا یا شکرہ مسلمان کا ہو یا اس شخص کا ہو جو مسلمان کے معنی میں ہے (یعنی اہل کتاب کا ہو) اور سدھایا ہوا ہو، پھر سدھارنے والا اس کا تین مرتبہ تجربہ کرلے کہ وہ شکار کرنے کے بعد اس میں سے نہیں کھائے گا اور بلانے پر پلٹ کر آجائے گا۔

2] اور دوسری شرط یہ ہے کہ جانور کا اس کو زخمی کرنا یقینی ہو، امام اعظمؒ کے نزدیک۔

حالت میں ہو تم پر حرام ہے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے"۔ (المائدہ:96)

(3) "وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا"

"اور جب تم احرام کی حالت سے باہر آجاؤ تو شکار کرو" (المائدہ:2)

(4) "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ"

3] تیسری یہ ہے کہ بھیجتے وقت "بسم اللہ" پڑھا جائے۔

4] چوتھی یہ کہ اگر وہ اس کو زندہ پائے تو دوبارہ اس کو ذبح کرے۔ اور اگر وہ زندہ نہ پائے تو اس کی ضرورت نہیں۔

پس اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے مثلاً یہ کہ وہ درندہ معلم (سدھایا ہوا) نہ ہو یا معلم تو ہو لیکن زخم نہ لگایا ہو، یا اس کو روانہ کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھا گیا ہو یا یہ کہ وہ اس کو زندہ پا کر بھی خود ذبح نہ کرے یا اس کے ساتھ (شکار کرنے میں) غیر معلم کتا بھی شریک ہو جائے یا کتا ایسا ہو کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، یا مجوسی کا کتا ہو تو ایسی صورت میں شکار قطعی طور پر حرام ہو جائے گا۔

یہ بیان درندوں کے ذریعہ شکار کرنے کے احکام کا ہے، اور تیر اندازی کے ذریعہ شکار کرنے کے احکام بھی اسی طرح کے ہیں، کہ اگر تسمیہ پڑھ کر شکار کو تیر مارا جائے اور وہ اس کو زخمی کردے تو اسے کھایا جائے گا۔ پس اگر وہ اس کو زندہ نہ پائے تو (اس کے حلال ہونے کے لئے یہ کافی ہے اور اگر اس کو زندہ پالے تو تسمیہ پڑھ کر اس کو ذبح کرے، پس اگر وہ تیر پر "بسم اللہ" نہ پڑھے یا وہ زخم نہ لگائے یا شکاری اس کو زندہ پا کر ذبح نہ کرے تو وہ قطعی طور پر حرام ہو جائے گا۔ (تفسیرات احمدیہ)

"(مسلمانو!) تم پر حرام ہے مرا ہوا جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس ذبیحہ پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹنے سے مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سنگ لگ کر مر جائے اور وہ جانور جس کو درندے کھالیں، مگر وہ حرام نہیں جس کو تم مرنے سے پہلے ذبح کرلو"۔ (المائدہ:3)

(5) "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ" 1

"اور وہ (نبی امیؐ) ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں"۔ (الاعراف:157)

(1/5182) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ

---

1 قولہ: و یحرم علیھم الخبائث. "اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں"۔ اس میں مچھلی کے سوا تمام سمندری جانوروں کے حرام ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ وہ سب کے سب خبیث ہیں، پس یہ آیت تمام سمندری جانوروں کے حلال ہونے سے متعلق امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول کا جواب ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

2 قولہ: اذا ارسلت کلبک، الخ. "جب تم اپنے کتے کو چھوڑو"۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے: اور جب اپنے سدھائے ہوئے کتے کو یا اپنے باز پرندے کو چھوڑے اور چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے پھر وہ شکار کو پکڑے اور اس کو زخمی کردے اور وہ شکار مر جائے تو اس کو کھانا حلال ہے۔ اس کی دلیل حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے جس کو ہم روایت کیے ہیں، اور اس لئے کہ کتا اور باز یہ ذبح کے آلات ہیں اور آلہ کا استعمال کیے بغیر محض آلہ سے ذبح نہیں ہوتا۔ اور ان دونوں کو چھوڑنا آلہ کا استعمال کرنا ہے، اور ان کو تیر چلانے اور چھری پھرانے کے قائم مقام کردیا گیا ہے اور اس لئے اس وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہوگا اور اگر بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو بھی جائز رہے گا جیسا کہ اس کے جائز ہونے کو اور عمداً بسم اللہ چھوڑ دینے سے اس کے حرام ہونے کو ہم ذبائح کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں، اور ظاہر

روایت میں ہے کہ جانور کا اس کو زخمی کرنا ضروری ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے تاکہ ذبح اضطراری ثابت ہو اور ذبح اضطراری میں بدن کے کسی بھی مقام پر کسی بھی آلہ کو جو اس کو مل جائے استعمال کر کے زخمی کر دینا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "وما علمتم من الجوارح" اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہے" میں زخمی کرنے کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ وہ جرح سے مشتق ہے جو ایک تاویل میں جراحہ یعنی زخم کے معنی میں ہے۔ پس اس کو کو نچلی اور پنجے سے زخمی کر کے شکار کرنے والے کے معنی پر محمول کیا جائے گا اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے اور اس میں یقینی مفہوم کو اختیار کیا گیا ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی ہے: ان کے پاس تاویل اول کی طرف رجوع کرتے ہوئے زخم لگانا شرط نہیں ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم کہہ کر آئے ہیں اور اگر اس میں سے کتا یا چیتا نے کھایا ہے تو اس کو کھایا نہیں جائے گا اور اگر اس میں سے باز نے کھایا ہے تو اس کو کھایا جائے گا۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ شکرے کا بدن ضرب کا متحمل نہیں ہوتا اور کتے کا بدن ضرب کو برداشت کرتا ہے تو اس کو مارا جاسکتا ہے تاکہ وہ اس کو چھوڑے رکھے اور اس کے تعلیم کی نشانی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جس سے وہ عادتاً مانوس ہے اور باز وہ وحشی اور غیر مانوس پرندہ ہے تو اس کا اس بات کو قبول کرنا ہی اس کی تعلیم کی نشانی ہے لیکن کتا وہ ایک پالتو جانور ہے اور چھین لینا اس کی عادت میں سے ہے پس اس کے تعلیم کی علامت اس کا اپنی عادت کی چیز کو چھوڑ دینا ہے اور اس کی عادت کھالینا اور کسی چیز کو چھین لینا ہے اور آپ کا فرمان ہے کہ "فان اکل منہ الکلب". "اگر اس میں سے کتا کھالیا تو مت کھاؤ" پس اس کی تائید حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، جس کو ہم نے روایت کیا ہے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے قول قدیم کے خلاف بھی حجت ہے کہ ان کے پاس اس میں سے کتا کھالیا ہے، تب بھی اس کا کھانا جائز ہے۔

علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب تم اپنے کتے کو چھوڑو 2 تو تم اللہ کا نام لو۔ پس اگر وہ تمہارے لئے روک رکھے اور تم اس کو زندہ پاؤ تو اس کو ذبح کرو اور اگر تم اس کو اس حالت میں پاؤ کہ مارڈالا ہے

اور صاحب ''نتائج الافکار'' نے کہا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے شکار کے بارے میں فرمایا ہے ''و ان اکل منہ'' اگرچہ کہ وہ (کتا) اس میں سے کھالیا ہو اور یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کی واضح دلیل ہے، تو میں کہوں گا کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت عدی کی حدیث کے معارض ہے اور حضرت عدی کی حدیث کو حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ترجیح ہے، کیونکہ ابوثعلبہؓ کی حدیث، کتے کے کھائے ہوئے کو حلال قرار دیتی ہے اور حضرت عدی کی حدیث اس کو حرام بتاتی ہے اور اصول فقہ میں یہ بات معلوم ہے کہ حرام کرنے والی چیز اور حلال کرنے والی حدیث میں تعارض ہو جائے تو حرام کرنے والی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے اور وہ اس (حلال کرنے والی حدیث) کے لئے ناسخ قرار پائے گی۔ پس حضرت عدی کی حدیث پر عمل کرنا واجب ہوگا، نہ کہ حضرت ابوثعلبہ کی حدیث پر۔ (انتہی)

اور ہدایہ میں ہے کہ اگر چھوڑنے والا اس شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے اگر ذبح نہیں کیا یہاں تک کہ وہ مرگیا تو اس کو کھایا نہیں جائے گا، اسی طرح باز اور تیر کا مسئلہ ہے کیونکہ بدل کے ذریعہ مقصود حاصل ہونے سے پہلے اصل پر قدرت حاصل ہو چکی ہے اور مقصود اباحت ہے اور اس کی موت سے پہلے اس کا ثبوت نہیں ہوا ہے تو بدل کا حکم باطل ہو جائے گا اور اگر کتا اس کا گلہ دبا دیا ہو اور اس کو زخمی نہیں کیا ہو تو اس کو کھایا نہیں جائے گا، کیونکہ زخمی کرنا ظاہر روایت کے مطابق شرط ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی غیر معلم کتا یا کسی مجوسی کا کتا شریک ہو جائے یا ایسا کوئی کتا شریک ہو جائے جس پر عمداً تسمیہ نہیں پڑھا گیا ہے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا، اس کی دلیل حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ہم

اور اس میں سے کھایا نہیں ہے تو تم اس کو کھاؤ اور اگر وہ کھایا ہے تو تم مت کھاؤ، کیونکہ وہ اپنی ذات کے لئے پکڑا ہے۔ اور اگر اپنے کتے کے ساتھ اس کے سوا کوئی دوسرا کتا پاؤ اور وہ اس کو مار ڈالا ہے تو مت کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے ان دونوں میں سے کس نے قتل کیا ہے اور جب تم اپنا تیر چلاؤ تو اللہ کا نام لو

نے بیان کیا ہے اور اس لئے بھی کہ حلال اور حرام کرنے والی دو حدیثیں جمع ہوں تو حرمت کی جہت کو قطعی طور پر یا احتیاط کی بناء پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

1 قولہ و اذا رمیت بسھمک، الخ" یعنی جب کسی شکار کو تیر لگ جائے اور شکار مشقت کے ساتھ اس کو برداشت کر لیا یعنی تیر لگنے سے چلنے یا اڑنے میں مشقت اٹھا کر نکل گیا اور نظر سے غائب ہو گیا اور ایسی صورت میں تیر انداز آدمی اس کی تلاش چھوڑا نہیں بلکہ مسلسل تلاش میں رہا یہاں تک کہ وہ اس کو مرا ہوا ملا تو وہ حلال ہے، اور اگر اس کی تلاش چھوڑ دیا تھا پھر اس کو مرا ہوا ملا تو اس کے لئے وہ حلال نہیں ہے، کیونکہ ابو ثعلبہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم اپنا تیر چلاؤ اور وہ تین دن تک غائب رہا اور اس روایت میں ہے تم سے وہ ایک دن غائب رہا پھر تم اس کو پا لئے تو جب تک وہ بدبودار نہیں ہوا تم اس کو کھاؤ، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی مروی ہے، تیر مارنے والے سے اگر وہ شکار غائب رہا تو اس شکار کو کھانا مکروہ ہے اور آپ نے فرمایا: ہو سکتا ہے حشرات الارض اس کو مار ڈالے ہوں تو اس حدیث کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جائیگا کہ وہ اس کی تلاش چھوڑ دیا ہو، اور پہلی حدیث شریف کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اس کی تلاش چھوڑا نہیں تھا، اور اس کے علاوہ اس میں یہ بھی احتمام ہے اس کی موت کسی دوسرے سبب سے ہوئی ہو تو اس لئے اس کو ایسی چیزوں میں شمار کیا جائے گا جن سے بچنا ممکن ہے کیونکہ محرمات کے سلسلہ میں اس کے حرام ہونے کا وہم بھی ہو تو وہ یقین ہونے کی طرح ہے لہٰذا اس کو ان چیزوں میں شمار نہیں کیا جائے گا جن سے بچنا ناممکن ہے، کیونکہ ورنہ اس طرح کا اعتبار کرنا شکار کے

1 اور اگر وہ تم سے ایک دن تک غائب رہا اور تم اس میں اپنے تیر کے نشان کے سوا کچھ دوسری کوئی چیز نہ پاؤ تو اگر تم چاہو تو کھاؤ اور اگر اس کو پانی میں ڈوبا ہوا پاؤ تو مت کھاؤ ۔ 1 (متفق علیہ)

دروازے کو ہی بند کرنا ہوگا اور یہ اس لئے ہے کہ شکار اکثر جنگلات میں ہوتا ہے اور وہ اکثر اس میں چھپ جاتا ہے، پس جو شخص مسلسل تلاش جاری رکھے تو اس کے لئے اس کی ضرورت کی وجہ سے حلال رہے گا، اور جب وہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے تو گویا اس کیلئے اس کی ضرورت نہ رہی اور ہر چیز میں یہی قاعدہ ہے مگر ہمارے لئے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے تو ہم اس میں اس قاعدہ کو ضرورت کی بناء پر جاری نہیں رکھے اور اب جس میں بچنا ممکن ہے اپنے وہ اصل قاعدہ پر رہے گا اور اس کیلئے شرط یہ رکھی گئی ہے کہ اس میں اپنے تیر کے زخم کے سوا کوئی اور زخم پایا نہ جائے۔ (ملخص از شرح کنز)

1 قولہ : و ان وجدتہ غریقا، الخ. ''اور تم اس کو پانی میں ڈوبا ہوا پاؤ'' صاحب ہدایہ نے کہا اور جب کسی شکار پر تیر چلائے پھر وہ پانی میں گر جائے یا کسی سطح یا پہاڑ پر گر جائے پھر اس سے زمین پر گر پڑے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا کیونکہ وہ متردیہ (گر کر ہلاک ہونے والا جانور ہے) اور نص سے اس کی حرمت ثابت ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کی موت تیر کے علاوہ کسی اور چیز سے ہوئی ہو کیونکہ پانی بھی ہلاک کرنے والی چیز ہے اور اسی طرح اوپر سے نیچے گرنا (بھی ہلاک کرنے والی چیز) ہے اور اس کی تائید حضرت عدی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ ''وان وقعت رمیتک فی الماء'' اگر تمہارا شکار پانی میں گر جائے تو تم اس کو مت کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ پانی نے اس کو مارا ہے یا تمہارے تیر نے مارا ہے اور اگر شروع میں ہی زمین پر گر جائے تو اس کو کھایا جائے گا کیونکہ اس سے احتیاط کرنا ممکن نہیں ہے، ورنہ اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو شکار کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا برخلاف سابق صورت کے کیونکہ اس سے احتراز کرنا ممکن

(2/5183) حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، شکار سے متعلق جو شکاری سے پوشیدہ ہوجائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوسکتا ہے اس کو زمین کے موذی جانور مار ڈالے ہوں اور عبدالرزاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی مرفوع حدیث کی تخریج کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ معجم طبرانی مصنف عبدالرزاق)

اور ہمارے علماء نے کہا ہے اس حدیث کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے گا کہ وہ شکار کی تلاش چھوڑ کر بیٹھ گیا ہو اور پہلی حدیث کو طلب نہ چھوڑنے پر محمول کیا جائے گا۔

(3/5184) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے کہا: تیرا کتا اگر سدھایا ہوا ہے تو وہ جو تمہارے لئے روک رکھا ہے تو اس کو کھاؤ اور اگر وہ کھایا ہے تو اس میں سے کچھ بھی مت کھاؤ کیونکہ وہ اپنے لئے اس کو روک رکھا ہے، لیکن شکرا اور باز اگر وہ کھا بھی لیں تو تم کھاؤ کیونکہ ان کی تعلیم یہ ہے کہ جب تم اس کو بلاؤ تو تمہاری بات قبول کرے (آجائے) اور تم اس کو شکار نہ کھانے کے لئے مار نہیں سکتے (کیونکہ وہ مار کا متحمل نہیں ہوسکتا)۔ (کتاب الآثار للامام محمد)

(4/5185) سعید بن منصور نے روایت کی ہے کہ راشد بن سعیدؒ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا ذبیحہ اگرچہ کہ عمداً بسم اللہ نہ پڑھے حلال ہے۔ 1 (سنن سعید بن منصور)

ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب حرمت اور حلت کے اسباب جمع ہوجائیں اور جو حرمت کا سبب ہے اس سے بچنا ممکن ہو تو بطور احتیاط حرمت کی جہت کو ترجیح ہوگی، اور اگر وہ منجملہ ان چیزوں کے ہے جن سے بچنا ممکن نہیں ہے تو اس (سبب حرمت) کا وجود عدم کے قائم مقام ہے کیونکہ تکلیف حسب طاقت ہوتی ہے۔

1 قوله و ان لم يسم اذا لم يتعمد. "اگرچہ کہ جب عمداً بسم اللہ نہ پڑھے"

(5/5186) امام بخاری نے تعلیقاً (حدیث کی سند بیان کیے بغیر) کہا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے جو شخص بھول جائے تو کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه و انه لفسق"

کہ تم اس میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، یقیناً یہ فسق ہے (انعام) اور بھولنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر ذبح کرنے والا عمداً بسم اللہ نہ پڑھے تو وہ ذبیحہ مردار ہے، اس کو کھایا نہیں جائے گا اور بسم اللہ پڑھنے کو بھولے سے چھوڑ دے تو کھایا جائے گا۔ یہ حکم ہمارے (احناف کے) پاس ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا دونوں صورتوں میں اس کو کھایا نہیں جائے گا، تسمیہ چھوڑنے کے مسئلہ میں مسلمان اور کتابی دونوں برابر ہیں۔ اور اسی اختلاف کی بناء پر حکم رہے گا، باز اور کتے کو چھوڑتے وقت یا تیر چلاتے وقت بسم اللہ چھوڑ دینے کا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اجماع کے مخالف ہے، کیونکہ جس پر عمداً بسم اللہ چھوڑ دیا گیا ہے اس کی حرمت کے بارے میں آپ سے پہلے کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اختلاف تو ان کے درمیان صرف اس جانور کے بارے میں تھا جس پر بھول کر بسم اللہ چھوڑ دیا گیا ہو اس بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ وہ حرام ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ وہ حلال ہے۔ برخلاف اس جانور کے جس پر عمداً بسم اللہ چھوڑ دیا گیا وہ بالاتفاق حرام ہے۔ اسی لئے امام ابو یوسف اور دوسرے علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جس پر عمداً بسم اللہ چھوڑ دیا جائے اس کے بارے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور اگر قاضی اس کو بیچنے کے جواز کا فیصلہ دے تو وہ اجماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے نافذ نہیں ہوگا اور علامہ عینی نے کہا ہے کہ یہ حدیث شریف اور امام بخاری کی تعلیق ہماری تائید کرتی ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث 1 ''تم اللہ کا نام لو اور اس کو کھاؤ'' یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا۔

(6/5187) عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شکار پر تیر چلاتا ہوں اور دوسرے دن اس میں اپنا تیر پاتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم یہ جانو کہ تمہارے تیر نے اس کو مار ڈالا ہے اور اس میں کسی اور درندے کا نشان نہ دیکھو تو کھالو۔ (ابوداؤد)

اور ہم کہتے ہیں: تم کو یہ بات معلوم ہو ہے کہ اس کے حلال ہونے کے لئے ایک اور شرط ہے کہ اس کی تلاش نہ چھوڑو۔

(7/5188) صاحب بدائع نے کہا: مروی ہے کہ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکار تحفہ پیش کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو یہ کہاں سے ملا؟ تو اس نے کہا میں اس پر کل تیر چلایا تھا اور اس کی تلاش میں تھا یہاں تک کہ مجھ پر رات

---

1 قولہ: حدیث عائشۃ ، الخ. ''عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث'' پوری حدیث کو امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہاں کچھ قومیں ہیں، شرک سے ان کا زمانہ قریب ہے وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ وہ اس پر اللہ کا نام لئے ہیں یا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ صاحب عمدۃ القاری نے کہا: اس حدیث سے ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بادیہ نشین بدویوں کا ذبیحہ کھانے کا حکم نہیں فرماتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''یہ اول اسلام میں تھا'' اور یہ ممکن ہے کہ وہ تسمیہ سے ناواقف نہیں تھے۔

چھا گئی اور مجھے اس سے روک دی پھر میں اس کو آج پایا اور میرا نیزہ اس میں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے وہ غائب رہا اور کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ بعض حشرات الارض اس پر تمہاری مدد کئے ہوں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(8/5189) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: کھاؤ وہ جس کو تم مرتے ہوئے دیکھے ہو اور چھوڑ دو اس کو جو تم سے چھپ گیا ہو۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اصماء سے مراد جس کا مرنا دیکھا ہو اور انماء سے مراد وہ ہے جو اس سے چھپ جائے اور ہشام نے کہا: امام محمد رحمہ اللہ سے روایت مروی ہے: اصماء سے مراد جو تمہاری نگاہ سے نہ چھپا ہو اور انماء جو تماری نگاہ سے چھپ گیا ہو، مگر یہ ہے کہ اس کی تلاش میں رہنے کو ضرورت کی بناء پر دیکھنے کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ (البدائع)

(9/5190) ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم قوم اہل کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں

1۔ قولہ : یا نبی اللہ انا بارض قوم اہل الکتاب افناکل بانیھم. ''یا نبی اللہ ہم قوم اہل کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں، کیا ہم ان کے برتنوں میں کھائیں'' الخ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مسئلہ دریافت کیے۔ پہلا مسئلہ اہل کتاب کے برتنوں میں کھانے سے متعلق ہے تو اس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کو اہل کتاب کے ان برتنوں کے سوا دوسرے برتن مل جائیں تو اہل کتاب کے ان برتنوں میں مت کھاؤ ورنہ ان ہی برتنوں کو دھو کر اس میں کھالو۔ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر دوسرے برتن مل جائیں تو ان کے استعمال میں کراہت ہے۔ جب کہ فقہاء کرام نے کہا ہے کہ دوسرے برتن ملنے کے باوجود ان کے برتنوں کو

کھائیں 1 شکاروالی زمین میں ہوتے ہیں اور میں اپنی کمان سے اور اپنے غیر معلم کتے سے اور معلم کتے سے بھی شکار کرتا ہوں تو میرے لئے کونسی چیز درست ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنوتم جو اہل کتاب کے برتنوں کا ذکر کیے اگر اس کے سوا دوسرے برتن تم کو مل جائیں تو تم اس میں مت کھاؤ اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو اس کو دھولو اور اس میں کھاؤ اور تم جو اپنی کمان سے شکار کیے اور اس پر اللہ کا نام لئے ہو تو کھاؤ اور جو اپنے معلم کتے سے شکار کیے اور اس پر اللہ کا نام لئے ہو تو اس کو بھی کھاؤ اور جو تم اپنے غیر معلم کتے سے شکار کیے اور اس کو ذبح کیے ہو تو اس کو کھاؤ۔ (متفق علیہ)

دھونے کے بعد استعمال کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کے برتنوں سے مراد ان کے ان برتنوں سے ممانعت ہے جس میں وہ سور کا گوشت پکاتے ہیں، اور جس میں وہ شراب پیتے ہیں، اور دھونے کے بعد ان کے استعمال سے جو منع کیا گیا ہے وہ طبیعت کے ناپسند کرنے کی وجہ سے ہے اور اس لئے کہ وہ نجاست کے لئے تیار کیے گئے ہیں اور فقہاء کرام کے پاس عدم کراہت سے مراد وہ برتن ہیں جو عموماً نجاست میں استعمال نہیں کیے جاتے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اس معاملہ میں تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اصل پر ظاہر کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ اہل کتاب اور مجوس کے برتن اصل کے اعتبار سے پاک ہیں۔ اس کے باوجود دوسرے برتن نہ ملنے کی صورت میں ان کو دھوکر استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ حکم اصل پر ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ نجاست ثابت ہوجائے پھر اب حدیث شریف کے بارے میں جواب کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔

1۔ ان کے برتنوں کو دھولینے کا حکم احتیاط کے بطور ہے اور استحبابی ہے اور

2۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث شریف کی مراد یہ ایسی حالت میں ہے

جب کہ ان برتنوں کا نجس ہونا متحقق ہوجاتا ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں اس بات کی دلالت ہے:

"انا نجاور اهل الكتاب و هم يطبخون فى قدورهم الخنزير و يشربون فى انيتهم الخمر...... الخ"

"ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں سور کا گوشت پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کو ان برتنوں کے سوا دوسرے برتن مل جائیں تو ان میں کھاؤ اور پیو اور ان کے سوا دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کو پانی سے دھولو اور اس میں کھاؤ پیو۔ (تم اس کو سمجھ لو)

2۔ اور دوسرا مسئلہ تیر کمان اور کلب معلم اور غیر معلم شکار کرنے سے متعلق: اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "وما صدت" سے آخر تک ارشاد فرمایا، اس سے چند احکام معلوم ہوتے ہیں۔

1] اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تیر کمان سے شکار کرنا جائز ہے اور ابوداؤد میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے: "ان اعرابيا يقال له ابوثعلبه، الخ" کہ ایک اعرابی جن کو ابوثعلبہ کہا جاتا ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس سدھائے ہوئے کتے ہیں (الی آخر حدیث) اور اس حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میری کمان کے بارے میں بتلایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری تیر کمان جو شکار تمہارے لئے لائے خواہ وہ ذبح کیا گیا ہو یا اسی وقت مر گیا ہو تم اس کو کھالو، تو انہوں نے عرض کیا: اگر وہ شکار مجھ سے غائب ہوجائے، تو اس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ وہ تم سے غائب ہوجائے جب تک وہ بدبودار نہ ہوجائے یا تم اس میں اپنے تیر کے سوا کا نشان نہ پاؤ تو اس کو کھا سکتے ہو، آپؐ کے ارشاد: "مالم یصل" میں لفظ صاد کو زیر اور لام

کو تشدید کے ہے اس کے معنی ہیں یعنی ”جب تک وہ بدبودار نہ ہو جائے“۔

2] دوسرا حکم یہ ہے کہ شکار کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے اور اس کی بحثیں قریب میں گزر چکی ہیں۔

3] تیسرا حکم یہ ہے کہ کتے کا معلم (سدھایا ہوا) ہونا ضروری ہے، جب کلب معلم کو بسم اللہ پڑھ کر شکاری چھوڑے تو اس کو کھایا جا سکتا ہے اور اگر وہ کلب غیر معلم سے شکار کرے اور وہ زندہ مل جائے اور اس کو ذبح کرے تو اس کو کھایا جا سکتا ہے، ورنہ اس کو کھایا نہیں جائے گا۔

4] چوتھا حکم مطلق کتے کا ذکر ہے، جو ہر رنگ کے کتے کو شامل ہے سفید یا سیاہ یا لال کسی بھی رنگ کا ہو شکار کرنا جائز ہے اس میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ ان کے پاس کالے کتے سے اگرچہ کہ معلم ہو شکار کرنا جائز نہیں ہے۔

5] پانچواں حکم یہ ہے، اس میں دو شرطیں ہیں: کتے کا معلم (سدھایا ہوا) ہونا اور بسم اللہ کہنا، اگر تم غیر سدھایا ہوا کتا چھوڑ دو یا سدھایا ہوا ہے مگر بسم اللہ نہ کہو یا وہ کتا بغیر چھوڑے کے شکار کرے تو اس کا شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر ایسی صورت میں جب کہ تم اس شکار کو زندہ پاؤ اور پھر اس کو ذبح کرو تو جائز ہے۔ (عمدۃ القاری)

اور صاحب مرقاۃ نے کہا ہے کہ سوال دو مسئلوں پر مشتمل تھا تو آپ نے تفصیل سے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔ اب رہا یہ کہ اہل کتاب کے برتنوں کا تم نے جو ذکر کیا یعنی ان میں کھانے کا تو اگر تم کو ان کے سوا دوسرے برتن مل جائیں تو اس میں مت کھاؤ، تو یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ”دع ما یریبک الی مالا یریبک“ ”جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جو تم کو شک میں نہیں ڈالتی“ کی بناء پر بطور احتیاط ہے اور ان کے

(10/5191) ترمذی شریف میں ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سفر کرتے رہتے ہیں اور یہود و نصاریٰ اور مجوس کے پاس سے گزرتے ہیں اور ان کے برتنوں کے سوا ہم کو دوسرے برتن نہیں ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے سوا تم کو دوسرے برتن نہ ملیں تو اس کو دھولو اور اس میں کھاؤ پیو۔ (ترمذی)

(11/5192) ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے کہ قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا نصاریٰ کے کھانے کے بارے میں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور کہا ایک کھانا ایسا ہے کہ میں اس سے بچتا ہوں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی چیز بھی تمہارے دل میں یہ خلجان پیدا نہ کرے کہ تم اس میں نصرانیت کے قریب ہو گئے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(12/5193) عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تعلیم دیئے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو آپ صلی

ہاتھوں میں استعمال شدہ برتنوں کو اگرچہ کہ دھونے کے بعد ہی ہو استعمال کرنے سے بچنے کیلئے اور ان سے میل جول کی غرض سے بطور مبالغہ ہے اور یہ تقویٰ ہے، اور اس کے بعد کا حکم فتویٰ ہے، اور اعتبار عموم لفظ کا ہوتا اور خوصی سبب کا نہیں ہوتا جس کا ذکر آیا ہے اور اگر تم اس کے سوا دوسرے برتن نہ پاؤ تو اس کو دھولو یہ حکم واجب ہے جب ان کے نجاست کا غالب گمان نہ ہو اور یہ حکم مستحب ہوگا جب معاملہ اس کے برخلاف ہو (نجاست کا غالب گمان نہ ہو) اور ابن ملک نے کہا ہے کہ رسول اللہ نے کفار کے برتنوں کو دھونے کا جو حکم فرمایا ہے اس صورت میں ہے جب کہ ان کی نجاست کا یقین ہو۔ اور جو برتن ایسا نہ ہو تو اس کی کراہت تنزیہی ہے اور تم ان میں کھا سکتے ہو۔

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے لئے جو روک کر رکھے اس کو کھاؤ 1 تو میں نے عرض کیا اگر وہ اس کو مار ڈالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ کہ وہ اس کو مار ڈالیں، پھر میں نے عرض کیا ہم لٹھ پھینک کر (شکار کرتے ہیں) 2 تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو

---

1 قولہ: کل ما امسکن علیک. ''وہ تمہارے لئے جو روک کر رکھے اس کو کھاؤ'' اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "فکلوا مما امسکن علیکم". ''جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑے رکھیں اس کو کھالو'' کے مطابق جو اطلاق ہے اور زخمی کرنے کی کوئی قید نہیں ہے اس میں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، امام حسنؒ سے مروی ہے کہ زخمی کرنا شرط نہیں ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ کوچلی والے اور پنجے والے جانور سے شکار کے لئے اس کا شکار کے کسی بھی حصہ میں زخمی کرنا شرط ہے تاکہ اضطراری ذبح کا تحقق ہو جائے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود بہتے ہوئے خون کو خارج کرنا ہے، اور یہ عام طور پر زخمی کرنے سے ہوتا ہے اسی لئے زخمی کرنے کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے جیسا ذبح اختیاری اور تیر سے شکار کرنے میں ہے، و نیز اس لئے کہ اگر اس کو وہ زخمی نہ کرے تو وہ موقوذہ یعنی ڈنڈے سے مار کر ہلاک کیے ہوئے کی طرح ہوگا جس کی حرمت نص سے ثابت ہے۔ اور فتویٰ ظاہر روایت پر ہی ہے اور اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر یقینی طور پر زخمی کرنے سے موت ہوئی ہے تو اس کو کھایا جائے گا اور اگر اس کی موت کسی وزنی شئے سے ہوئی ہے یا اس میں شک ہے تو قطعی طور پر یا بطور احتیاط اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ (مرقاۃ وعنایہ)

2 قولہ: انا نرمی بالمعراض، الخ. ''ہم لٹھ پھینک کر شکار کرتے ہیں'' صاحب ہدایہ نے کہا ہے: اگر اس کو لٹھ کی چوڑائی لگے تو کھایا نہیں جائے گا، اگر وہ اس کو زخمی کرے تو کھایا جائے گا کیونکہ اس بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر دھار لگے تو کھاؤ اور

اس کو زخمی کرے اس کو کھاؤ اور جس کو اس کی چوڑائی سے ضرب لگے اور وہ مار ڈالے تو وقید (لٹھ سے مارا ہوا) ہے اس کو مت کھاؤ۔ (متفق علیہ)

(13/5194) اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کتے یا باز کو تم نے تعلیم دی ہو پھر اس کو شکار پر چھوڑا ہو اور اس پر اللہ کا نام لئے ہو تو اس کو کھاؤ۔ جب وہ اس شکار کو تمہارے لئے روک رکھے تو میں عرض کیا اگر وہ اس کو مار ڈالے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب وہ اس کو مار ڈالے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے تو اس کے سوا نہیں کہ وہ اس کو تمہارے لئے روک رکھا ہے۔ (ابوداؤد)

(14/5195) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ ہم کو

جس کو اس کی چوڑائی لگے تو اس کو مت کھاؤ اور اس لئے کہ زخم کا لگنا ضروری ہے تا کہ ذبح کا مفہوم متحقق ہو سکے، جیسا کہ ہم اس کو بیان کر چکے ہیں اور جس کو بندوق سے شکار کیا گیا ہو اور اسی کی وجہ سے مر جائے تو اس کو کھایا نہیں جائے گا کیونکہ وہ چورا کر دیتی ہے اور توڑ دیتی ہے، زخمی نہیں کرتی پس یہ لٹھ کی طرح ہے جبکہ وہ اس کو پھاڑتی نہیں۔

صاحب مرقاۃ نے کہا کہ امام نوویؒ نے کہا وقیذ اور موقوذہ وہ جانور ہے جس کو غیر دھاری دار اور لٹھ یا پتھر یا ان کے سوا کسی دوسری غیر دھاری دار چیز سے قتل کیا گیا ہو، اور فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب کوئی آدمی لٹھ سے شکار کیا اور اس کی دھار سے اس کو قتل کیا ہے تو وہ حلال ہے اور اس کی چوڑائی سے اس کو مارا ہے تو وہ حلال نہیں اور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس کو بندوق سے مار ڈالا ہے وہ لٹھ کی حدیث کی بناء پر مطلقاً حلال نہیں اور امام اوزاعیؒ اور امام مکحولؒ اور ان کے سوا ملک شام کے دیگر فقہاء نے بھی کہا ہے کہ لٹھ سے یا بندوق سے جس کو قتل کیا گیا ہو وہ بھی جائز ہے۔

مجوسیوں کے کتے کے شکار سے منع کیا گیا ہے۔ 1 (ترمذی)

---

1 قولہ نہیانا عن صید کلب المجوس (ہم کو مجوسیوں کے کتے سے شکار کرنے سے منع کیا گیا) اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ اس میں مجوسی کے کتے کو خاص کیا گیا ہے لیکن یہ معنی نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر مجوسی آدمی کتے سے شکار کرے خواہ وہ کتا مسلمان کا ہو یا مجوسی کا ہو تو یہ ناجائز ہے۔ اور اگر مسلمان شکار کرے خواہ وہ کتا مسلمان کا ہو یا مجوسی کا ہو تو یہ جائز ہے۔ (یہ تفصیل کو کب دری میں ہے) اور صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ مجوسی مرتد اور بت پرست کا شکار کھایا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ وہ ذبح کرنے کی اہلیت رکھنے والوں میں سے نہیں ہیں جیسا کہ ہم ذبائح کے بیان میں بتاچکے ہیں اور شکار کی اباحت کے لئے اس اہلیت کا ہونا ضروری ہے۔ برخلاف نصرانی اور یہودی کے کیونکہ وہ دونوں اختیاری طور پر ذبح کی اہلیت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ تو اسی طرح اضطراری ذبح کی بھی ان میں اہلیت ہے۔ انتہی

اور صاحب مرقات نے کہا: ہمارے علماء نے کہا ہے کہ ذابح کے مسلمان ہونے کی جو شرط ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "إلا ما ذكيتم" (مگر وہ حرام نہیں جس کو تم مرنے سے پہلے ذبح کرو) کی بناء پر ہے۔ یا ذابح کتابی ہو اگرچہ وہ کتابی حربی ہو، یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم" (اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمھارے لئے حلال ہے) سے ثابت ہے۔ اس سے مراد ان کے ذبائح ہیں۔ کیونکہ ذبیحہ کے سوا مطلق کھانا جو کسی بھی کافر کا ہو جائز ہے اور کتابی کے ذبح سے متعلق یہ شرط ہے کہ وہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے یہاں تک کہ اگر ذبح کرتے وقت مسیح علیہ السلام یا عزیز علیہ السلام کا ذکر کیا تو اس کا یہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وما اهل لغير الله به" (اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے) اور جن کی کوئی کتاب نہیں ہے ان کا

(15/5196) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی کسی چڑیا کو اس سے بھی چھوٹے کسی پرندے کو ناحق قتل کریگا 1 تو اللہ تعالیٰ اس کے قتل سے متعلق اس سے سوال کریگا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو ذبح کرے اور کھائے ایسا نہ ہو کہ اس کے سر کو کاٹے اور پھینک دے۔ (احمد، نسائی، دارمی)

(16/5197) ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے حال یہ تھا کہ وہ لوگ اونٹوں کے کوہان کو کاٹتے 2 اور بھیڑوں کے سرینوں کو کاٹتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چوپائے میں سے جبکہ وہ زندہ ہو کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ مردار ہے، اس کو کھایا نہیں

ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ مجوسی ہو اس کی وجہ گزر چکی ہے یا بت پرست ہو کیونکہ اس کی توحید نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجوسی کی طرح ہے۔

1 قولہ من قتل عصفورا فما فوقھا بغیر حقھا الخ (جو آدمی کسی چڑیا کو، اس سے بھی چھوٹے کسی پرندے کو ناحق قتل کرے گا) صاحب نیل الاوطار نے کہا ہے کہ اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ چڑیا یا اس جیسے کسی بھی پرندے کو دل لگی کھیل کود کیلئے قتل کرنا جائز نہیں ہے (اھ) اسی لئے صاحب درمختار نے کہا ہے کہ ان سب جانوروں کا شکار جائز ہے۔ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کا بھی جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا، اس کے چمڑے یا اس کے بال یا پروں سے فائدہ اٹھانے کیلئے یا اس کے شر کو دفع کرنے کی غرض سے بھی اور یہ سب جائز ہے کیونکہ نص قرآنی (واذ حللتم فاصطادوا) مطلق ہے۔

2 قولہ: وھم یجبون اسنمۃ الابل و یقطعون الیات الغنم، الخ. ''حال یہ تھا کہ وہ لوگ اونٹوں کے کوہان کو کاٹتے اور بھیڑوں کے سرینوں کو کاٹتے تھے'' صاحب بدائع

جائے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(17/5198) ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا، کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کسی چیز کے ساتھ خاص کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کسی ایسی چیز سے خاص نہیں فرمایا جس میں اورلوگوں کو شامل نہ کیا گیا ہو سوائے وہ چیز جو میری تلوار کے نیام میں ہے۔ انہوں نے ایک صحیفہ نکالا جس میں یہ تھا: اللہ تعالیٰ لعنت کرے 1 اس آدمی پر جو غیر اللہ کے لئے ذبح

نے کہا ہے کہ اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے اگر (زندہ) بکری کے سرین کا یا اس کی ران کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو یہ کاٹا ہوا حصہ حلال نہیں ہے۔ اگرچہ کہ اس کے بعد اس بکری کو ذبح کردیا جائے کیونکہ جو حصہ الگ کرلیا گیا تھا اس کو الگ کرتے وقت بکری ذبح نہیں ہوئی تھی بلکہ زندہ تھی تو اس کے لئے بھی ذبح کا حکم ثابت نہیں ہوا اور جس وقت وہ بکری ذبح ہوئی تو اس وقت اس کا یہ حصہ الگ ہوچکا تھا اور الگ شدہ حصہ میں ذبح کا حکم نہیں ہوگا (اھ)

اور صاحب ہدایہ نے کہا: جب کسی شکار پر تیر چلائے اور اس کا کوئی حصہ کٹ جائے تو شکار کو کھایا جائے گا، اس کی وجہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ تیر سے شکار کرنا اگر وہ زخمی کرے تو شکار حلال ہوجاتا ہے، جب اس کا ایک عضو کٹ گیا ہے تو یقیناً زخم پایا گیا اس لئے وہ حلال ہوجائے گا، البتہ وہ حصہ (جو کٹ گیا ہے) کھایا نہیں جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: دونوں چیزیں کھائی جائیں گی، اور ہماری دلیل یہ حدیث شریف ہے۔

اور اگر بکری کی گردن پر ضرب لگائے اور اس کی سر کو جدا کردے تو بکری حلال ہوجائے گی کیونکہ اس کی رگیں کٹ چکی ہیں، لیکن یہ عمل حرام مغز تک پہنچنے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

1 قولہ: لعن الله من ذبح لغير الله. "اللہ لعنت کرے اس آدمی پر جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے" درمختار میں اس کی مثال یہ بیان کی گئی ہے کہ امیر یا اس کے جیسے کسی عظیم شخصیت

کرے اور لعنت کرے اس آدمی پر جو زمین کے منار (نشانات) چوری کرے (18/5199) اور ایک روایت میں ہے اس آدمی پر جو زمین کے منارات کو بدل دیتا ہے اور اللہ لعنت کرے اس آدمی پر جو اپنے والد پر لعنت کرتا ہے اور اللہ لعنت کرے اس آدمی پر جو دین میں نئی بات پیدا کرنے والے (بدعتی) کو پناہ دیتا ہے۔ (مسلم)

(19/5200) رافع بن خدیج رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کل ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے۔ اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں ہیں تو کیا بانس سے ہم ذبح کر سکتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دانت اور ناخن کے سوا جو چیز خون کو بہائے 1 اور اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھاؤ اور میں تم کو اس کے بارے میں ابھی

کی آمد کے لئے ذبح کیا تو وہ حرام ہو جائے گا کیونکہ اس نے اس کو غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہے، اگر چہ کہ اللہ تعالی کا نام لے، اور اگر مہمان کے لئے ذبح کیا تو حرام نہیں ہوگا کیونکہ وہ خلیل اللہ کی سنت ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالی کا اکرام ہے۔ اور اس میں فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ اگر وہ اس کو کھانے کے لئے ذبح کیا ہے تو یہ ذبح کرنا اللہ تعالی کے لئے ہے اور فائدہ مہمان کے لئے یا ولیمہ کے لئے یا نفع اٹھانے (فروخت کرنے) کے لئے اور اگر اس کو کھانے کے لئے نہیں بلکہ دوسرے کی خاطر دے دیتا ہے تو یہ غیر اللہ کی تعظیم ہے پس ذبیحہ حرام ہو جائے گا، اور کیا وہ کافر ہو جائے گا اس میں دو قول ہیں۔ (بزازیہ، شرح وہبانیہ اھ)

اور صاحب رد المحتار نے کہا ہے: اور کیا وہ کافر ہو جائے گا؟ یعنی یہ معاملہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کا ہے کیونکہ کوئی مسلمان پر اگر اس کا کلام یا اس کا فعل کسی اچھے مفہوم پر محمول کیا جانا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو تو کفر کا فتوی نہیں دیا جا سکتا۔

1 قولہ : فکل لیس السن و الظفر الخ (دانت اور ناخن کے سوا جو چیز خون کو بہائے اور اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھاؤ) صاحب بدائع نے کہا ہے اس بارے میں گفتگو کا خلاصہ یہ

بیان کرتا ہوں دانت تو وہ ایک ہڈی ہے اور اب رہا ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔ اور ہم مالِ

ہے کہ آلہ کی دو قسمیں ہیں: آلة تقطع و آله تفسخ [1] ایسا آلہ جو ٹکڑے کرتا ہے اور [2] ایسا آلہ جو پھاڑتا ہے پھر کاٹنے والے آلے کی دو قسمیں ہیں [1] حادہ [۲] كلية جو تیز ہوتا ہے۔ اس سے ذبح کرنا جائز ہے خواہ وہ لوہے کا ہو یا غیر لوہے کا ہو۔ اور غیر لوہے کے آلہ کی دلیل وہ روایت ہے جو عدی بن حاتم ﷛ سے مروی ہے انھوں نے کہا میں نے عرض کیا یارسول اللہ: آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں ہم میں کا کوئی شکار کو پائے اور اس کے ساتھ چھری نہ ہو تو کیا وہ دھاری دار پتھر سے یا چیری ہوئی لکڑی سے ذبح کرسکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم جس سے چاہو خون کو بہاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

(۲) كليلة : کند آلہ اگر وہ کاٹتا ہے تو جائز ہے کیونکہ اس میں ذبح کا مفہوم موجود ہے لیکن مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے چھری کو تیز کرنے اور ذبیحہ کو راحت پہنچانے کا حکم فرمایا ہے اسی طرح اگر قلم کئے ہوئے ناخن اور اکھیڑے ہوئے دانت سے ذبح کرتا ہے تو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ان سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم اباحت سے ناخن اور دانت کو مستثنیٰ فرمایا اور اباحت سے استثناء اس کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب وہ گلے کی رگوں کو کاٹیں گے تو اس سے ذبح حاصل ہوجائیگا اور یہ ایسا ہی جائز ہے جیسے دھاری دار پتھر اور بانس کی پھانک سے ذبح کرنا جائز ہے اب رہا حدیث شریف میں جو آیا ہے اس سے مراد وہ دانت اور وہ ناخن جو اپنی جگہ قائم ہیں اس لئے کہ حبشی لوگ اپنی سنگدلی کو ظاہر کرنے کی غرض سے اس طرح ذبح کرتے تھے اور یہ ثابت دانت و ناخن سے ہوتا ہے اکھاڑے ہوئے سے نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں مروی

غنیمت میں اونٹ اور بکریاں پائے تو ان میں سے ایک اونٹ بدک گیا تو ایک صاحب اس پر تیر مارا اور اس کو روک لیا 1 تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان اونٹوں میں بدکنے والے وحشی جانوروں کی طرح بدکنے والے (وحشی) ہوتے ہیں پس جب ان میں سے کوئی تم پر غلبہ کرے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کرو۔ (متفق علیہ)

(20/5210) امام بخاری نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی تخریج کی ہے کہ ان کی بکریاں تھیں جو کوہ سلع کے پاس چر رہی تھیں، ہماری ایک باندی نے جب دیکھا کہ

ہے "الا ما کان قرضا بسن او حزا بظفر" (جو دانت سے کترا جائے یا ناخن سے کاٹا جائے) اور کترنا ثابت دانت سے ہوتا ہے۔

اب رہا وہ آلہ جو پھاڑتا ہے تو وہ ثابت ناخن اور ثابت دانت ہے اور بالاتفاق ان دونوں سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر ان سے ذبح کریگا تو جانور مردار ہو جائیگا۔ اس کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔

اور اس لئے بھی کہ جب ناخن اور دانت جدا نہ ہوئے ہوں تو ذبح کرنے والا ذبیحہ جانور پر اپنا زور ڈالتا ہے اور اس کا گلہ دبا دیتا ہے تو وہ پھٹ جائیگا پس اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا علماء نے فرمایا ہے اگر یہ خاموش رہے اور دوسرا اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اس طرح پھرایا جیسا کہ یہ چھری کو پھراتا ہے تو جائز ہو جائیگا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ (انتہی)

1 قولہ فرماہ رجل بسھم الخ (تو ایک صاحب نے اس پر تیر امارا) اسی لئے صاحب ہدایہ نے کہا جو شکار پالتو ہو جائیں تو اس کے حلال ہونے کیلئے ذبح کرنا ہوگا اور جو چوپائے وحشی بن جائیں تو ان کو زخمی کرنے سے وہ حلال ہو جائیں گے کیونکہ مجبوری کی صورت میں مسئلہ اختیاری ذبح سے اضطراری ذبح کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس دوسری صورت میں مجبوری ثابت ہے اور پہلی صورت میں مجبوری نہیں ہے۔

ہماری بکریوں میں سے ایک بکری مرجارہی ہے تو اس نے ایک پتھر توڑا 1 اور اس سے اس کو ذبح کردیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ نے اس کو کھانے کا حکم فرمایا۔ (بخاری)

ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ پتھر ذبح کا آلہ بننے کی صلاحیت رکھے یعنی زخمی کرسکے اور الگ شدہ ناخن اور الگ شدہ دانت کا بھی ہمارے پاس ایسا ہی مسئلہ ہے برخلاف ثابت دانت وثابت ناخن کے کیونکہ وہ تیزی کے ساتھ بوجھ کی وجہ سے موت کا موجب ہوتا ہے، پس ذبیحہ منخنقہ یعنی گلہ گھونٹ کر مارنے کے حکم میں ہوجاتا ہے اور جدا شدہ دانت سے بھی ذبح مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو تکلیف ہوتی ہے جس طرح کند چھری سے ذبح کرنے سے ہوتی ہے، اور حضرت رافع کی حدیث کو تمام احادیث میں توفیق کے لئے ثابت دانت وثابت ناخن پر محمول کیا جائے گا اور اس کی تائید امام طحاوی کی ابورجاء عطاردی سے روایت کردہ اس حدیث سے ہوتی ہے۔

(21/5202) ابورجاء عطاردی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم حج کا عزم کیے ہوئے نکلے اور قوم میں کے ایک صاحب نے ایک خرگوش کا شکار کیا اس کو اپنے

---

1 قولہ فکسرت حجرا فذبحتھا بہ، الخ. ''تو اس (باندی) نے ایک پتھر توڑا اور اس سے اس کو ذبح کردیا'' صاحب بنایہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث شریف ہمارے اصحاب کے لئے بہترین دلیل ہے کیونکہ نصوص میں اصل دلیل علت ہے اور پتھر جو زخمی کرنے کے معنی میں ہے ذبح کا آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی طرح جدا کیا گیا ہوا ناخن جدا کیا ہوا دانت بھی صلاحیت رکھتا ہے برخلاف اس کے جس کو جدا نہیں کیا گیا ہے وہ آلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ وہ حبشیوں کی چھری ہے اور پہلی حدیث شریف اسی مفہوم پر محمول ہے۔

ناخن سے ذبح کیا اور بھون دیا اور سب اس کو کھائے، جبکہ ان کے ساتھ میں نہیں کھایا پس جب ہم مدینہ کو آئے تو میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا شاید تم بھی ان کے ساتھ کھائے ہو تو میں نے کہا کہ میں نہیں کھایا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ٹھیک کیے ہو، اس کے سوا نہیں کہ اس نے اس کو گلہ دبا کر قتل کر دیا ہے۔ 1

(22/5203) ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں عدی بن حاتم سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیا فرماتے ہیں، ہم میں سے کوئی شکار کو پائے اور اس کے ساتھ چھری نہ ہو تو کیا وہ تیز پتھر سے اور لکڑی کی پھانک سے ذبح کر سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جس سے چاہو اللہ کا نام لے کر خون کو بہاؤ۔ (ابوداؤد، نسائی)

(23/5204) ابوداؤد نے تخریج کی ہے کہ عطاء بن یسار نے بنی حارثہ کے ایک صاحب سے روایت کی ہے وہ ایک لقحہ دودھ والی اونٹنی ایک گھاٹی میں چرا رہے تھے کہ دیکھا وہ

---

1 قولہ: انما قتلها خنقا. ''اس کے سوا نہیں کہ اس نے گلہ دبا کر اس کو قتل کر دیا'' امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں کہا ہے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی حدیث شریف میں ناخن سے ذبح کیے گئے جانور کو کھانے کی حرمت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ گلہ گھونٹنا ہے کیونکہ اس نے ہتھیلی سے ذبح کیا ہے، نہ کہ کسی دوسری چیز سے پس وہ مخنوق یعنی گلہ گھونٹ کر مارنے کی طرح ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس ناخن سے ذبح منع کیا گیا ہے وہ ناخن ہے جو ہتھیلی میں لگا ہوا ہے اور وہ ناخن مراد نہیں ہے، جو جدا کر دیا گیا ہے، اسی طرح جس دانت سے ذبح منع ہے وہ وہ دانت ہے جو منہ میں لگا ہوا ہے اور ثابت ہے کیونکہ یہ کترنا ہے اب رہا وہ دانت جو جدا کیا گیا ہے اس سے منع نہیں ہے اور یہ قول حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا ہے۔

مرر ہے اس کو ذبح کرنے کیلئے ان کو کوئی چیز نہیں ملی تو وہ ایک میخ لیکر اس کے حلق میں اس کو چبو دیا یہاں تک کہ اس کا خون بہایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے اس کو کھانے کی اجازت دی۔ (ابوداؤد) اور امام مالک نے بھی اسی طرح روایت کی ہے ان کی روایت میں فذکاھا بشظاظ کے الفاظ ہیں۔ (یعنی اس کو اس سے ذبح کیا)

(23/5205) ابوالعشراء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کیا ذبح صرف حلق اور گلے میں ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس کی ران پر بھی نیزہ مارو تو تمہارے لئے کافی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ اوپر سے گرنے والے جانور کا ذبح بھی اسی طرح ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس طرح ذبح بوقتِ ضرورت ہے۔ 1 (ابوداؤد، نسائی)

---

1 قوله : هذا في الضرورة (اس طرح ذبح بوقتِ ضرورت ہے) ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جو جانور ذبح نہ کیا جائے وہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "حرمت عليكم الميتة" الأية تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ جس کا گلہ دبا دیا گیا ہو اور وہ جو لٹھ سے مارا گیا ہو اور جو نیچے گر کر ہلاک ہو گیا ہو اور وہ جس کو سینگ مارا گیا ہو اور وہ جس کو درندے نے کھایا ہو مگر وہ جانور جس کو تم ذبح کیے ہو۔

اور ذبح ضروری سے مراد بدن کے کسی بھی حصہ میں زخم لگانا ہے۔ اور ذبح اختیاری وہ حلق اور گلے کے درمیان ہوتا ہے اور ذبح میں کٹنے کی رگیں (۱) حلقوم یعنی سانس چلنے کی نالی، (۲) مَرِی (میم کو زبر اور راء کو زیر کے ساتھ) کھانا اور پانی چلنے کی نالی اور ودجان (واو اور دال دونوں کو زبر) خون دوڑنے کی دو رگیں ہیں ان میں سے کسی تین رگوں کے کٹنے سے ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے۔ (مرقات)

(25/5206) ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا شریطة الشیطان سے ابن عیسیٰ نے اس میں یہ زائد بیان کیا ہے کہ وہ ایسا ذبیحہ ہے جس کا چمڑا کاٹ دیا جائے اور رگیں نہ کاٹی جائیں پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ (ابوداؤد)

(26/5207) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجثمہ کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور (مجثمہ) وہ جانور ہے جس کو باندھ کر تیر سے مار ڈالا جائے۔ 1 (ترمذی)

(27/5208) عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، خیبر 2 کے دن ہر کونچلی والے درندے اور ہر پنجہ والے پرندے سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے اور مجثمہ (باندھ کر تیر سے ہلاک کئے ہوئے جانور) اور خلیسہ (درندے سے چھینے ہوئے مردہ جانور) سے اور حاملہ (باندیوں) سے وطی کرنے سے یہاں تک وضع حمل ہو جائے۔ محمد بن یحییٰ نے کہا: ابوعاصم سے مجثمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ پرندے کو یا کسی کو بھی باندھا جائے پھر اس کو تیر سے ماریں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلیسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

1 قولہ نهى رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ و سلم عن اكل المجثمة الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجثمہ کو کھانے سے منع فرمایا ہے) اور یہ منع اس لئے ہے کہ یہ قتل ذبح نہیں ہے نہ ذبح ضروری ہے اور نہ ذبح اختیار ہے۔ (مرقات)

2 قولہ نهى يوم خيبر عن كل ذى ناب الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہر کونچلی والے درندے سے) صاحب ہدایہ نے کہا کونچلی والے درندے اور پنجے والے پرندوں کا کھانا جائز نہیں ہے۔

فرمایا: بھیڑیئے اور درندے کو جس کو کوئی پا کر اس سے شکار کو لے لے اور وہ اس کے ہاتھ میں ذبح کرنے سے پہلے مرجائے۔ (ترمذی)

ہمارے بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کو حاملہ باندی ملے تو وضع حمل تک اس سے وطی جائز نہیں ہے۔ زنا سے حاملہ عورت سے شادی کرنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

(28/5209) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرماتے ہوئے سنا ہوں، کسی چوپائے یا اسکے سوا کسی جاندار کو باندھ کر قتل کرنے سے۔ 1 (متفق علیہ)

(29/5210) ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو کسی ایسی چیز کو نشانہ بنائے جس میں جان ہو۔ (متفق علیہ)

(30/5211) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی ایسی چیز کو جس میں جان ہو نشانہ مت بناؤ۔ (مسلم)

(31/5212) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے 2 اور چہرہ پر داغ دینے سے منع فرمایا۔ 3 (مسلم)

---

1 قولہ: ان تصبر بهيمة او غيرها. ''کسی چوپائے یا اس کے سوا کسی جاندار کو باندھ کر قتل کرنے سے'' یعنی جاندار کو بغیر چارہ پانی کے باندھ کر رکھا یہاں تک کہ وہ مرجائے اور للقتل کے معنی ذکر کردہ طریقہ پر مار ڈالنے کی غرض سے باندھ کر رکھنا ہے۔ اور کتاب شرح السنہ میں ہے کہ اس سے مراد جاندار کو باندھ کر رکھنا اور تیر مارنا یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ (مرقات)

2 قولہ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الضرب فى الوجه. ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا'' یعنی کسی بھی چیز کے چہرہ پر مارنے سے منع فرمایا مگر حالت جنگ میں کافر کیونکہ حالت جنگ میں مسلمان کبھی اس کے لئے مجبور ہوجاتا ہے۔ ...... 3 قولہ و عن الوسم فى الوجه. ......

(28/5213) ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے کے پاس گزرے اس کے چہرہ میں داغ دیا گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لعنت کرے اس پر جس نے اس کو داغ دیا ہے۔ (مسلم)

---

3 قولہ و عن الوسم فی الوجہ. ''اور چہرہ پر داغ دینے سے منع فرمایا'' امام نوویؒ نے فرمایا کہ چہرہ میں داغ دینا بالاتفاق منع ہے اب رہا انسان کے چہرہ میں داغ یہ اس کی بزرگی کی وجہ سے حرام ہے اور اس لئے کہ اس کی کوئی حاجت نہیں ہوتی اس کو اس طرح تکلیف دینا جائز نہیں ہے اور اب رہا آدمی کے سوا کسی دوسرے کے چہرہ میں تو علماء شافعیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور امام بغویؒ نے کہا کہ یہ ناجائز ہے اور انہوں نے اس کے حرام ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس حدیث شریف سے یہی بات ظاہر ہے کیونکہ کسی چیز پر لعنت کرنا اس چیز کے حرام ہونے کا متقاضی ہے۔ اب رہا چہرہ کے سوا کہیں اور داغ دینا تو یہ زکوۃ اور جزیہ کے جانوروں میں مستحب ہے اور اس کے سوا دوسرے جانوروں میں جائز ہے اور جب داغ دے تو بکریوں کے کانوں میں داغ دینا مستحب ہے اور اونٹ، گائے کے سرینوں کے جڑوں میں دیا جانا مستحب ہے اور داغ دینے کا فائدہ دوسروں سے تمیز ہے۔ (انتھی)

اور صاحب درمختار نے کہا کہ چوپایوں میں فصد کرنا اور ان کو داغ دینا جائز ہے۔ اور صاحب عمدۃ القاری نے کہا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں تکلیف دینا ہے اور مثلہ کرنا ہے اور ان دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ آپ کی طرف سے جواب یہ دیا گیا ہے یہ ممانعت عام ہے اور داغ دینے کی حدیث خاص ہے اس لئے اس کو مقدم قرار دینا ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ان دونوں کا زمانہ ایک ہو تو خاص کو عام پر غلبہ ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

(33/5214) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن ابوطلحہ کو صبح صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی تحنیک کریں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک میں داغ کا آلہ تھا 1 صدقہ کے اونٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم داغ دے رہے تھے۔ (متفق علیہ)

صاحبِ درمختار نے متفرق مسائل کے ضمن میں کہا ہے کہ چوپایوں کو فصد کرنا اور ان کو داغ دینا جائز ہے۔

(34/5215) ہشام بن زید انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باڑے میں تشریف فرما تھے۔ پس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا بکریوں کو داغ دے رہے تھے۔ میں سمجھتا ہوں انھوں نے یہ بھی کہا ان کے کانوں پر (داغ دیئے)۔ (متفق علیہ)

(35/5216) شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو فرض کردیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو۔ اور جب تم ذبح کرو تو بہتر طریقہ سے ذبح کرو۔ اور تم میں کا کوئی بھی ہو اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو

---

1 قوله في يده الميسم يسم ابل الصدقة (آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک میں داغ دینے کا آلہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صدقہ کے اونٹوں کو داغ دے رہے تھے) یعنی یہ داغ دینا دوسرے جانوروں سے ان کو ممتاز کرنے والی علامت کے لئے تھا۔ اور اس کو چہرہ کے سوا دوسرے حصوں پر محمول کیا جائے گا اور ممانعت چہرہ کے ساتھ خاص ہے یا بلا ضرورت داغ دینے سے متعلق ہے۔ (مرقات)

راحت پہنچائے۔ 1 (مسلم)

(36/5217) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیٹ کے بچہ کوذبح کرنا ماں کوذبح کرنے کی طرح ہے۔ 2 (ابوداؤ ودارمی)

اور امام ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ سے اس کی تخریج کی ہے۔ (ترمذی)

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کوتشبیہ پر محمول کیا ہے،

---

1 قولہ ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ (اور تم میں کا کوئی بھی ہو اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے) اسی لئے صاحب درمختار نے کہا ہے کہ جانور کو لٹانے سے پہلے چھری کو تیز کرنا مستحب ہے اور لٹانے کے بعد کرنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ ذبح کی جگہ تک اس کے پاؤں سے کھینچ کر لے جانا مکروہ ہے اور جس طرح اس کی گدی کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو رگوں کے کٹنے تک ذبح کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اس حالت میں بغیر ذبح کے مرجائے تو حلال نہیں ہوگا۔

صاحب مرقات نے کہا ہے مستحب ہے کہ جانور کے سامنے چھری کو تیز نہ کرے اور کسی کو بھی دوسرے کے سامنے ذبح نہ کرے اور ذبح کرنے کی جگہ تک کھینچ کر نہ لے جائے۔ اور ہمارے علماء نے کہا ہے کہ: ذبیحہ کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال کھینچنا اور بلا فائدہ کسی قسم کی تکلیف دینا اس حدیث شریف کی بناء پر مکروہ ہے۔ اور حرام مغز تک کاٹنا بھی مکروہ ہے۔ نخع سے مراد یہ ہے کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے اور یہ گردن کی ہڈی کے درمیان میں سفید گودا ہوتا ہے اور نخع کے معنی سے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ سر کو اسقدر کھینچنا کہ ذبح کا مقام ظاہر ہو جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی حرکت ختم ہونے سے پہلے اس کی گردن کو توڑ دے اور یہ سب مکروہ ہیں کیونکہ اس میں جانور کو بلا فائدہ زائد تکلیف دینا ہے۔

2 قولہ ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ. یعنی پیٹ کے بچے کو ذبح کرنا، ماں کو ذبح کرنے

یعنی ''کذکاۃ امہ'' جنین کو ذبح کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا اس کی ماں کو ذبح کرنا ضروری ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ روایت نصب یعنی زبر کے ساتھ آئی ہے اور اگر مرفوع ہو تو بھی

کی طرح ہے، جو آدمی کسی اونٹنی کو ذبح کرے یا گائے کو ذبح کرے اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اس کو بال نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں، یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ تعالیٰ کے پاس ہے اور امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے پاس اگر اس کی تخلیق مکمل ہوگئی ہے تو کھایا جائے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ حدیث شریف میں ''ذکـــاۃ الجنین ذکاۃ امہ'' کے معنی ان حضرات کے پاس یہ ہے کہ ماں کو ذبح کرنا پیٹ کے بچے کو ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔ (ماخوذ از ہدایہ)

اور امام سرخسی نے اپنی کتاب مبسوط میں کہا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''المنخنقة'' سے استدلال کیا ہے کیونکہ جنین کی ماں کو ذبح کرتے وقت جنین کی سب سے اچھی حالت کا اس کا حیات ہونا ہے، پس وہ دم گھٹ کر مر جائے گا اور منخنقہ ہی یہی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تمہارا شکار پانی میں گر جائے تو اس کو مت کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ پانی اس کی جان لیا ہے یا تمہارا تیر اس کو قتل کیا ہے، جانور کی زندگی کے ختم ہونے کے سبب کے بارے میں شک ہو جائے تو اس کو کھانا حرام ہو جاتا ہے، یہ صورتحال یہاں جنین کے بارے میں موجود ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ ماں کے ذبح کرنے سے مرا ہے یا دم گھٹنے سے مرا ہے۔ اس میں فی الجملہ اس شک سے احتراز ہو جاتا ہے کیونکہ کبھی یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس کو زندہ الگ نکالا جا سکتا ہے تاکہ اس کو ذبح کیا جا سکے۔

ایسا ہی ہوگا کیونکہ رفع کی روایت میں تشبیہ پہلی روایت (نصب) سے زیادہ قوی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ذکاۃ الجنین کو مقدم کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس روایت سے بھی

اور ابراہیم نے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک جان کو ذبح کرنا دو جانوں کا ذبح نہیں ہوسکتا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جنین مستقل علیحدہ جاندار ہے جو ماں کے پیٹ میں موجود رہتا ہے، یہاں تک وہ اس سے زندہ الگ ہوجاتا ہے اور وہ الگ ہونے کے بعد زندہ رہے گا، اور یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کوئی جز الگ کرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے اسی طرح ماں کے مرنے کے بعد جنین کے زندہ الگ کیے جانے کا خیال بھی ہوسکتا ہے، مگر یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ اصل کی موت کے بعد اس کا جزء زندہ رہے گا اور ذبح کرنا حیات میں تصرف کرنا ہے اور جب وہ جنین علیحدہ مستقل حیات رکھتا ہے تو اس کا ذبح بھی علیحدہ ہونا چاہئے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ماں کی غذا سے غذا حاصل کرتا ہے، بلکہ اس کو اللہ تعالٰی ماں کے پیٹ میں بغیر غذا کے ہی رکھتا ہے جس طرح وہ چاہے اس کو غذا پہنچاتا ہے، پھر جب وہ ماں کے پیٹ سے علیحدہ ہوجاتا ہے تو دودھ کے ذریعہ ماں سے غذا حاصل کرتا ہے، اور وہ ماں کا جز نہیں ہوتا اور جب وہ تمام احکام میں تابع قرار دیا گیا ہے تو یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ یہ حکم ماں کیلئے ہو اور بچے کیلئے نہ ہو کہ ماں کی موت کے بعد زندہ نکل آنے کا تصور نہ ہوسکے اور اگر وہ زندہ نکل آئے پھر مرجائے تو ان حضرات کے پاس بھی حلال نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس حکم میں ماں کے تابع نہیں ہے، اور اس مفہوم کی حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے ذبح سے مطلوب خون کا بہانا ہے تاکہ نجس سے پاک الگ ہوجائے اور ماں کو ذبح کرنے سے جنین میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، یا اس کا مقصد گوشت کو پکا کر پاکیزہ کرنا ہوتا ہے۔ جو اس کے گرم ہونے اور شعلہ زن ہونے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مقصد جنین میں اس کو ذبح کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا ہے، اور یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو انہوں نے کہا کہ ذبح توسع پر مبنی ہے۔ تو ہم یہ کہتے

ہوتی ہے (37/5218) جو موطا امام محمد میں ابراہیم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: لا تکون ذکاۃ نفس ذکاۃ نفسین" ایک جان کو ذبح کرنے سے دو جان ذبح نہیں

ہیں کہ یہ ٹھیک ہے لیکن عذر کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوسکتا، جیسا کہ اگر کتا شکار کو دبا کر یا گلا گھونٹ کر مار ڈالے، یا اس لئے کہ اس میں جو مقصود ہے وہ بغیر زخمی کیے اور حاملہ کے ذبح کو حلال قرار دیئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس بات کا خیال ہوسکتا ہے کہ جنین کو زندہ علیحدہ کرلیا جاسکے تو وہ ذبح کیا جائے گا اور اس لئے کہ مقصود جنین کی ماں کا گوشت ہے اور جانور کو کسی غرض صحیح سے ذبح کرنا حلال ہے، جیسا کہ کسی ایسے جانور کو ذبح کرنا جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا اس کا چمڑا حاصل کرنے کی غرض سے جائز ہے۔

اس حدیث سے مراد تشبیہ ہے۔ قائم مقامی مراد نہیں ہے، یعنی جنین کو ذبح کرنا اسکی ماں کو ذبح کرنے کی طرح ہے کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ پہلے جنین کا ذکر ہے، اگر نیابت (قائم مقامی مراد ہوتی تو منوب عنہ (اصل) کے بجائے پہلے نائب (قائم مقام) کا ذکر ہوتا تھا، جن الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے اس میں اسی طرح ہے اور اس جیسی عبارت تشبیہ کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "فلان شبیہ ابیہ و حظ فلان حظ ابیہ" یعنی فلاں اپنے باپ کے مشابہ ہے فلاں کا خط اس کے باپ کا خط ہے، کسی قائل کا قول ہے:

و عیناک عیناھا و جیدک جیدھاسوی ان عظم الساق منک دقیق

اور تیری دونوں آنکھیں اُس کی دونوں آنکھیں ہیں اور تیری گردن اس کی گردن ہے، سوائے اس کے کہ تیری پنڈلی کی ہڈی پتلی ہے۔

اس میں مراد تشبیہ ہے اور یہ تاویل حالت نصب میں درست ہوگی، کیونکہ یہاں حرف جار "ک" محذوف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد میں " وھی تمر مر السحاب ای کمر السحاب" (سورہ نمل) وہ بادل کی طرح گزریں گے اور حرف جار "ب"

بھی محذوف ہوسکتا ہے اور اگر حرف جار ''کاف'' کو محذوف قرار دیں تو جنین حلال نہیں ہوگا اور اگر حرف جار ''ب'' محذوف مانیں تو حلال رہے گا۔ حلت وحرمت کے اسباب جمع ہوجائیں تو حرمت کو غلبہ حاصل ہوگا، اور ان تفصیلات کے ساتھ یہ حدیث شریف درجہ صحت میں نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہوتو ان (صحابہ) کے قول ''فیخرج من بطنها جنین میت ای مشرف علی الموت'' یعنی وہ جنین جو مرنے کے قریب ہے مراد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''انک میت و انهم میتون'': آپ بھی انتقال کرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں'' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''کلوه'' کے معنی ''اذبحوه و کلوه'' ہے یعنی تم اس کو ذبح کرو اور کھاؤ ہے اور ''فراش'' سے مراد چھوٹے بچے ہیں۔

اور یہ جنین کو شامل نہیں ہے اور اگر اس سے جنین ہی مراد ہے تو اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جنین کو کھایا جاسکتا ہے، اور یہ بات ہم بھی کہتے ہیں لیکن اس کی شرط پائے جانے کے وقت اس کو کھایا جاسکے گا، اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ زندہ نکلے اور ذبح کیا جائے تب وہ حلال ہوجائے گا، اور صاحب مرقاۃ نے کہا ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کہ ہم اس کے پیٹ میں جنین پاتے ہیں تو کیا ہم اس کو پھینک دیں یا اس کو کھالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس کو تم کھالو۔ تو اس بارے میں ان کے تردد کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنین کے چھوٹے ہونے کی وجہ اس پر شفقت اور رحمت کے پیش نظر اس کا ذبح کرنا حلال ہے یا نہیں، تو اس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جنین اور اس کی ماں کے ذبح میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک ذی روح جاندار ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بھی ذبح کرنے کی صورت میں ہمارے لئے حلال کیا ہے ورنہ اس کے میت ہونے

کے لفظ سے فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کا کھانا حلال نہ ہو، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "حرمت علیکم المیتة" کے مفہوم میں شامل ہے، اور ایسی صورت میں اس کو ان بارے میں سوال کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

صاحب بدائع نے کہا: اسی پر جنین کا مسئلہ ہے اس کی ماں کو ذبح کرنے کے بعد اگر وہ زندہ نکلا اور اس کو ذبح کیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا اور ذبح سے پہلے مرجائے تو اس کو کھایا نہیں جا سکتا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صاحب بذل المجہود نے کہا ہے کہ میں کہتا ہوں لیکن شامی نے کفایہ سے نقل کیا ہے اگر اس کی ولادت ذبح سے قبل ہو جائے تو اس کی ماں کو ذبح کرنا مکروہ ہے، اور یہ مسئلہ امام صاحب کے قول کا جزیہ ہے اور جب وہ زندہ نکلے اور اتنا وقت نہیں ملا کہ اس کو ذبح کیا جا سکے اور وہ مرجائے تو ایسی صورت میں اس کو کھایا جائے گا اور یہ مسئلہ صاحبین کے قول پر مستنبط ہے (اھ)۔ اور یہ صاحب بدایہ کے قول کے عام مفہوم کے خلاف ہے کہ اور اگر وہ ذبح سے پہلے مرجائے تو اس کو کھایا نہیں جائے گا اس میں اختلاف نہیں اور اگر مرا ہوا نکلا اور کامل الخلقت نہیں ہے تب بھی نہیں کھایا جائے گا یہ قول سب فقہاء کا ہے کیونکہ وہ گوشت کی بوٹی کی طرح ہے اور اگر وہ کامل الخلقت ہے تو اس میں اختلاف ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا اس کو نہیں کھایا جائے گا، امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حدیث شریف " ذکاة الجنين ذكاة امه" سے استدلال کیے ہیں اس کا اقتضاء یہ ہے کہ ماں کے ذبح کے ساتھ ہی وہ بھی ذبیحہ قرار پائے کیونکہ وہ حقیقتاً اور حکماً اپنی ماں کے تابع ہے اور تابع میں حکم، اصل کی علت سے ثابت ہوتا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "حرمت علیکم المیتة

والدم" اور جنین میتة ہے کیونکہ اس میں حیات نہیں اور میتة جس میں حیات نہ ہو وہ اس نص میں داخل ہو جائے گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ میتة ایسی چیز کا نام ہے جس کی حیات زائل ہونے والی ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں پہلے حیات ہو اور جنین میں اس کا علم نہیں ہوسکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ میت کا اطلاق کرنے کے لئے اس سے پہلے حیات کا ہونا شرط نہیں ہے، جیسا اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے "و کنتم امواتا فاحیاکم". (حالانکہ تم بے جان تھے اور اس نے تم کو زندگی بخشی) اور ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ زندہ رہا ہو اور ماں کے مرنے کی وجہ سے مرگیا ہو، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ زندہ نہ رہا ہو پس وہ احتیاطاً حرام قرار دیا جائے گا، اور اس لئے بھی کہ وہ حیات میں مستقل ہے تو اس کا ذبح کیا جانا بھی مستقل ہوگا اور اس کے حیات میں مستقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ماں کو ذبح کرنے کے بعد بھی اس کا حیات کی حالت میں رہنا متصور ہوسکتا ہے اور اگر وہ اپنی حیات میں ماں کے تابع ہوتا تو ماں کی حیات ختم ہونے کے بعد اس کی حیات کا تصور نہیں ہوسکتا۔

اور اگر وہ حیات میں مستقل ہے تو ذبح کے مسئلہ میں بھی وہ مستقل رہے گا، کیونکہ ذبح میں زندگی کو ختم کرنا ہوتا ہے اور اس لئے کہ ماں کو ذبح کرنے کے بعد اس کو حیات کی بقاء کا تصور ہوسکتا ہے تو ماں کو ذبح کرنا اس جنین سے خون کے نکل جانے کا سبب نہیں بن سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ماں کو ذبح کرنے کے بعد اس کے زندہ باقی رہنے کا تصور نہیں ہوسکتا کیونکہ عام طور پر خون والے دموی جانور بغیر خون کے زندہ نہیں رہ سکتے لہٰذا بہتا خون اس کے اندر باقی رہے گا، اور اسی لئے اس کو جب زخمی کیا جاتا ہے تو اس سے خون بہنے لگتا ہے اور یہ خون حرام ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "دما مسفوحا". "بہتا ہوا خون" اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: "حرمت علیکم المیتة والدم". "تم پر حرام ہے مرا ہوا

ہوتے۔

(38/5219) جعفر بن محمد اپنے والد اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت

جانور اور خون" اور خون اور گوشت دونوں میں تمیز کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے گوشت بھی حرام رہتا ہے۔

اور اب رہا حدیث شریف تو اس میں زکاۃ کے دوسرے لفظ پر نصب کے ساتھ روایت آئی ہے تو اس وقت اس کے معنی "کذکاۃ امہ" ہوتے ہیں یعنی جنین کو ذبح کرنے کا طریقہ ماں کے ذبح کرنے کی طرح ہے، کیونکہ تشبیہ میں کبھی حرف تشبیہ مذکور ہوتا ہے اور کبھی حرف تشبیہ محذوف ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وھی تمر مر السحاب" اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے "ینظرون الیک نظر المغشی علیہ من الموت" یعنی کنظر المغشی علیہ اور اس میں غیر احناف کے خلاف حجت ہے کیونکہ جنین کی زکاۃ کو ماں کی زکاۃ سے تشبیہ دی گئی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ دونوں کو ذبح کیے جانے کے ضروری ہونے میں دونوں یکساں ہوں اور پیش کی روایت میں بھی تشبیہ کا احتمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وجنۃ عرضھا السماوات والارض"۔ "اور جنت اس کی پہنائی آسمانوں اور زمین کی پہنائی کی طرح ہے" یعنی عرضھا کعرض السماوات والارض" ہے تو تم پر حجت ہے اور اس میں نیابت کا بھی احتمال ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے مگر یہ اس احتمال کے ساتھ (ان کے لئے حجت نہیں ہو سکتی نیز یہ کہ یہ اخبار احاد سے ہے اور انسانی عام ضرورت کے امور میں سے ہے اور یہ عدم صحت کی دلیل ہے کیونکہ اگر وہ ثابت ہوتی ہے تو ضرور مشہور ہوتی۔

1 قولہ الحیتان والجراد ذکی کلہ، یعنی ہمارے پاس کوئی مائی یعنی پانی کا جانور سوائے مچھلی کے جو طافی (جو خود سے مر کر پیٹھ کے بل پلٹ کر پانی کے اوپر آ گئی ہو) نہ ہو کھایا

نہیں جاسکتا، مائی سے مراد وہ جانور ہے جو پانی میں پیدا ہوتا اور پانی میں رہتا ہے برخلاف اس جانور کے جو خشکی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا ہے جیسے بعض پرندے ہیں وہ کھائے جاسکتے ہیں اور امام مالک، امام شافعی اور ان کی ایک جماعت اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا ہے کہ سمندر کے تمام جانور کھائے جاسکتے ہیں یہاں تک کہ بام مچھلی (سانپ کے جیسی مچھلی) درندے، کتے اور پانی کے انسان بھی، اور بعض علماء مالکیہ نے اس میں سے کتے اور سور کا استثناء کیا ہے، ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "احل لکم صید البحر" اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے، اور حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا سمندر سے متعلق ارشاد ہے "هو الطهور مائه والحل ميتة" اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مرا ہوا حلال ہے اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و يحرم عليهم الخبائث" اور مچھلی کے سوا باقی سب خبیث ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ایسی دواء کے ذریعہ علاج کرنے سے جس میں مینڈک ہو اور کیکڑے کے بیچنے سے منع فرمایا ہے اور آیت کریمہ میں لفظ "صید" شکار کرنے پر محمول ہے اور شکار کرنا ان جانوروں میں بھی جائز ہے جن کا کھانا حلال نہیں ہے اور حدیث شریف میں لفظ "میتة" مچھلی پر محمول ہے اور یہ حضور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد: "احلت لنا میتتان و دمان" کی وجہ سے مستثنیٰ ہے، اب رہا 'میتتان' تو وہ مچھلی اور ٹڈا ہے اور "دمان" سے مراد جگر اور طحال ہے، درندوں اور سور کی حرمت پر دلالت کرنے والی تصریحات مطلق ہیں اور وہ بری و بحری دونوں کو شامل ہے اور تم اس بات کو جانو، صاحب ملا مسکین وغیرہ نے کہا ہے بیع اور کھانے سے متعلق اختلاف ایک ہی ہے اور امام زیلعی نے کہا ہے کہ چونکہ یہ پاک ہے اس لئے اس کی خرید وفروخت بالاتفاق جائز ہے، اور "غرطاف" کا مطلب یہ ہے کہ مچھلی جب وہ طافی نہ ہو تو کھائی جاسکتی ہے مگر طافی ہو تو ہمارے پاس اس کو

کھایا نہیں جا سکتا اور امام شافعی و امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ طافی مچھلی کو کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ حدیث شریف کی بناء پر سمندر میں مرا ہوا حلال ہے اور ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ما نضب عنه الماء فكلوا و ماطفا فلا تاكلون".
"جس سے پانی خشک ہو جائے اس کو کھاؤ اور جو پانی کے اوپر پلٹ جائے، اس کو مت کھاؤ اور بیان کردہ حدیث میں ان دونوں اماموں کے لئے دلیل نہیں ہے کیونکہ سمندر کے مرے ہوئے سے مراد وہ ہے جس کو سمندر باہر پھینک دیا ہو تاکہ اس کی موت کی نسبت سمندر کی طرف ہو جا سکے اور جو مچھلی سمندر کے اندر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے مر جائے وہ اس میں داخل نہیں ہے اور طافی وہ مچھلی ہے جو سمندر میں اپنی موت مر جائے اور اوپر آ جائے اور پیٹھ کے بل پلٹ جائے اور اگر اس کی پیٹھ اوپر کے حصہ میں ہے تو وہ طافی نہیں ہے۔ جس طرح طافی کے پیٹ کے اندر کی چیز کھائی جاتی ہے اسی طرح اس کو بھی کھایا جائے گا، طافی اسم فاعل ہے "طفا يطفو" طفا الشئى فوق الماء اذا علا" سے ماخوذ ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز پانی کے اوپر آ جاتی ہے۔

اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس کی موت کا سبب معلوم ہو جائے مثلاً سمندر کا باہر پھینک دینا یا اس کو کسی چھوٹے گڑھے میں بند رکھنا، اس طرح سے کہ اس کو بغیر کسی حیلے کے پکڑ سکیں یا کوئی مچھلی نگل جائے یا پانی کا کوئی پرندہ اس کو مار ڈالے یا پانی اس کے اوپر جم جائے تو اس کو کھانا جائز ہے کیونکہ اس کی موت کا سبب معلوم ہے اور اگر پانی کی گرمی یا سردی کی زیادتی سے یا پانی اس کے کچھ حصہ سے ہٹ جائے اور وہ مر جائے تو ایسی صورتوں میں ہشام کی امام محمد سے روایت ہے کہ اگر اس کا سر پانی پر ہے تو کھایا نہیں جائے گا اور اگر اس کی دم پانی میں ہے اور سر سے پانی ہٹ گیا ہے تو اس کو کھایا جائے گا کیونکہ اس کے سر کا پانی سے نکل جانا جو اس

کرتے ہیں کہ مچھلیاں اور ٹڈے ذبح شدہ ہیں۔ 1 (مصنف ابن عبدالرزاق)

(39/5220) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو سمندر پھینک دے یا اس سے ہٹ جائے تو تم اس کو کھالو اور جو سمندر میں مرجائے اور اوپر پلٹ جائے تو تم اس کو مت کھاؤ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ابن مومن نے کہا: اس حدیث شریف میں یحیٰی بن سلیم جو راوی ہیں ان سے شیخین نے روایت کی ہے اور شوکانی نے کہا ہے کہ حضرت جابر کی حدیث: "مامن دابة فی البحر الا و ذکاها الله لبنی آدم" اس کی سند میں ضعف ہے۔

کی موت کا سبب بنا ہے معلوم ہے برخلاف اس کی دم کا پانی سے نکل جانا (اس میں اس کی موت کا سبب معلوم نہیں) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں (مچھلی کے بارے میں) موت کا سبب معلوم ہونا شرط ہے اگر اس کو مارنے کی وجہ سے اس کا کوئی حصہ علیحدہ ہوجائے تو اس کو اور اس علیحدہ شدہ حصہ کو بھی کھایا جاسکتا ہے (ماخوذ از شروح کنز)

:...... باب الصلح ختم ہوا ......:

1/190 باب ذكر الكلب

کتے کا بیان

(40/5221) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کتے کو پالے سوائے جانوروں کی حفاظت والے اور شکاری کتے کے تو اس کے عمل میں سے روزانہ دو قیراط کم ہو جائیں گے۔ (متفق علیہ)

(41/5222) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جانوروں کے یا شکار کے یا کھیت کے کتے کے سوا کسی کتے کو پالا تو اس کے ثواب میں سے ہر دن ایک قیراط 4/6 یعنی (دینار کا 67 فیصد حصہ) کم ہو جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

---

1 قوله: يكره اقتناء الكلب لغير منفعة ...... الخ. (بغیر کسی فائدے کے کتے کا پالنا مکروہ ہے) اس پر اجماع ہے، اب رہا اس کی خرید و فروخت تو امام شافعی رحمہ اللہ کے پاس مطلقاً ناجائز ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض مالکیہ کے پاس جس کتے کو رکھنے کی اجازت ہے اس کی بیع جائز ہے، جس کو سدھایا نہیں جا سکتا اور ہمارے (احناف کے) پاس کاٹ کھانے والے (دیوانے) کتے کے سوا ہر کتے کی بیع مطلقاً جائز ہے اور ہمارے دلائل نسائی، مسند ابی حنیفہ اور بیہقی میں مروی احادیث ہیں اور تمام دلائل کتاب ہدایۃ اور اس کے شرح میں مذکور ہیں، اور تعلیق مجد میں بھی اسی طرح ہے اور مولانا محمد عبدالحلیم نور اللہ مرقدہ نے ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہاں ایک بحث ہے اور وہ یہ کہ دلیل دعویٰ سے خاص ہے، کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ کتے کی بیع مطلقاً جائز ہے اور حدیث شریف

امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں کہا ہے کہ بغیر کسی فائدے کے کتے کا پالنا مکروہ ہے۔[1] اب رہا کھیت یا جانوروں یا شکار کا نگہبانی کا کتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2] (موطا امام محمد)

سے صرف شکار کے اور جانوروں کی حفاظت کے کتے کی بیع کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔

متعدد وجوہ سے اس کا جواب دیا گیا۔

(1) ایک جواب تو وہ ہے جس کو صاحب نہایہ نے اختیار کیا ہے یہ کہ اس حدیث کو پیش کرنے کا مقصد فریق مخالف کے مذہب کا ابطال کرنا ہے کیونکہ ان کا دعویٰ عدم جواز کی شمولیت کا ہے۔ یعنی ہر کتے کی بیع ناجائز ہے اب رہا ہمارے دعویٰ کا اثبات، اس حدیث شریف سے ہے جس کو صاحب اسرار نے ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتے کے بارے میں چالیس درہم کا فیصلہ فرمایا، اس میں کتوں کے اقسام میں سے کسی قسم کی تخصیص کے بغیر مطلق ضمان دلانے کا ذکر ہے اور کسی تلف کی ہوئی چیز کا ضمان دلانا اس کے قیمت والی ہونے کی دلیل ہے۔

(2) دوسری دلیل وہ ہے جس کو صاحب کفایہ اور دوسروں نے ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ حدیث شریف تمام کتوں کی بیع جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ہر کتا جانوروں کی حفاظت کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ بھیڑیے یا چور کو دیکھنے کے وقت بھونکنا کتوں کی عادت ہے۔

(3) تیسری دلیل شکار اور جانوروں کی حفاظت کے کتوں کے ماسوا دوسرے کتے بھی دلالت النص سے اسی حکم میں شامل ہیں (تم اس پر غور کرو)

2 قولہ: فاما کلب الزرع...... الخ. ''اب رہا کھیت کا کتا'' عالمگیری میں ہے اس بات سے واقفیت ضروری ہے کہ حفاظت کی غرض سے کتے کو پالنا شریعت میں جائز ہے اسی طرح شکار کے لئے بھی رکھنا جائز ہے اور اسی طرح کھیت کی اور جانوروں کی حفاظت کیلئے رکھنا بھی جائز ہے (ذخیرہ)

(42/5223) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا سوائے شکاری کتے کے (ترمذی) اورنسائی نے جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے اور صاحب الجوہر النقی نے کہا نسائی کی سند عمدہ ہے (ترمذی)

(43/5224) امام ابوحنیفہؒ نے اپنی مسند میں ہیثم عن عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ 1 رسول اللہ ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت کے بارے میں اجازت دی ہے (مسند امام ابوحنیفہ) اوراس کی سند عمدہ ہے کیونکہ ہیثم کو ابن حبان نے ثقات میں اثبات تابعین میں سے ذکر کیا ہے۔

(44/5225) امام بیہقی کی روایت میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شکاری کتے سے متعلق جس کو ایک شخص نے مارڈالا تھا چالیس درہم کا فیصلہ فرمایا اور جانوروں کے کتے میں ایک مینڈھے کا فیصلہ فرمایا۔

(45/5226) عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

---

1 قولہ: روی ابو حنیفہ...... الخ. ''ابوحنیفہؒ نے روایت کی ہے'' صاحب فتح القدیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث شریف فقہاء کی رائے میں مخصص ہے اور مخصص عام کے مراد کا بیان ہے اگرچہ کہ وہ ان کے پاس قوت میں کم ہو یہاں تک کہ انہوں نے خبر واحد کے ذریعہ عام کو اور قطعی الثبوت کو ابتداء خاص کرنے کو جائز قرار دیئے ہیں اس سے ان کا یہ دعویٰ کہ خرید وفروخت کی ممانعت عام ہے، باطل ہوگیا۔ پھر دلیل تخصیص کے ذریعہ شکار کے کتے کو اس نہی سے خارج کرنے کی جو وجہ ہے وہ بالکل واضح ہے۔ وہ یہ کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ لہٰذا محض شکار کرنے کی خصوصیت لغو ہوجائے گی۔ پس ہر وہ کتا جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے وہ اس نہی سے خارج رہے گا خواہ اس سے شکار کا یا جانوروں کی حفاظت کا فائدہ اٹھایا جائے۔

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر کتے منجملہ امتوں کے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دیتا، پس تم ان میں سے نہایت کالے کتے کو مار ڈالو۔ 1 (ابوداؤد، دارمی)

---

1 قولہ: فاقتلوا منها كل اسود بهيم. ''پس تم ان میں سے نہایت کالے کتے کو مار ڈالو'' امام نوویؒ اور امام عینی نے کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے کو مار ڈالنے پر سب کا اتفاق ہے، اور جس کتے سے ضرر نہیں ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب اور بہت سے علماء نے کہا ہے کہ جن کتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان کے سوا ماقی کتوں کو مار ڈالنا جائز اور مستثنیٰ کتوں کے سوا ماقی کو مار ڈالنے کا حکم منسوخ نہیں ہے، بلکہ اس کو محکم سمجھتے ہیں۔ صاحب مسویٰ (شرح موطا) نے کہا ہے ابتداء اسلام میں کتوں کو مار ڈالنے کا حکم ان کو عام طور پر پالنے کی عادت کی وجہ سے دیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کے پالنے کو بغیر حکم قتل کے چھوڑنے والے نہیں تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کتوں کو مارنے کا حکم مدینہ منورہ کے لئے خاص تھا، کیونکہ مدینہ منورہ فرشتوں کے وحی لیکر اترنے کا مقام ہے اور جس گھر میں کتا ہوتا ہے تو وہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور آپؐ نے ارشاد فرمایا: انها امة من الامم. ''کہ وہ امتوں میں سے ایک امت ہیں'' اور امام الحرمین نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تمام کتوں کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا پھر نہایت کالے کتے کے سوا ماقی کتوں کے لئے یہ حکم منسوخ کردیا گیا، اس کے بعد کسی بھی کتے کو جس میں ضرر نہ ہو خواہ کالا کتا ہی ہو شریعت میں ان کے مارنے کی ممانعت دائمی ہوگئی، اسی لئے صاحب درمختار نے باب کے مسائل متفرقہ میں کہا ہے کہ کاٹنے والے کتے اور ضرر دینے والی بلی کو مارنا جائز ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے ایسی بستی جس میں بکثرت کتے ہوں اور بستی والوں کو ان سے ضرر ہوتا ہے تو کتوں کے مالکوں سے کہا جائے گا وہ کتوں کو مار ڈالیں گے، اگر وہ اسے انکار کریں تو یہ قضیہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے گا، یہاں تک کہ قاضی ان

اور امام ترمذی و امام نسائی کی روایت میں یہ زیادہ ہے، کتنے کو کوئی گھر والے نہیں رکھتے مگر ان کے عمل میں سے روزانہ ایک قیراط (دینار کا 4/6 یعنی 67 فیصد حصہ) کم ہو جاتا ہے، سوائے شکار کا کتا یا کھیت یا بکریوں کا کتا۔ (ترمذی، نسائی)

(46/5227) امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا یہاں تک کہ کوئی عورت جنگل سے اپنا کتا لے کر آتی تو ہم اس کو بھی قتل کر دیتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا تم دو نقطے والے نہایت کالے کو پکڑو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (مسلم)

اور امام الحرمین نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تمام کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا پھر نہایت کالے کتے کے سوا دیگر کتوں کے قتل کو منسوخ فرمایا پھر ان تمام کتوں کو جن سے کوئی نقصان نہیں حتی کہ نہایت کالے کتے کو بھی قتل کرنے کی ممانعت شریعت میں دائمی ہوگئی۔

(47/5228) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے درمیان لڑانے سے منع فرمایا۔ 1 (ترمذی، ابوداؤد)

کو اس کا پابند کرے گا۔ (محیط سرخسی)

1 قولہ: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التحريش بين البهائم. ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے درمیان لڑانے سے منع فرمایا“ صاحب بذل المجہود نے کہا ہے، تحریش سے مراد بھڑکانا اور ایک دوسرے کے خلاف ہیجان پیدا کرنا جیسا اونٹوں، مینڈھوں اور مرغوں وغیرہ کے درمیان کرایا جاتا ہے اور اس سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ کھیل تماشوں سے ہے اور اس میں جانوروں کو تکلیف پہنچانا اور ان کو ہلاک کرنا ہوتا ہے اور اگر جانبین سے کسی شرط کے ساتھ ہو تو وہ جوا بھی ہے۔

...... (باب کتے کا بیان ختم ہوا) ......

2/191 باب ما یحل اکله و ما یحرم

ان چیزوں کا بیان جن کا کھانا حلال ہے اور وہ جن کا کھانا حرام ہے

(48/5229) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اہل جاہلیت بعض چیزوں کو کھاتے تھے اور بعض چیزوں کو نفرت کرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنے حلال کو حلال رکھا اور اپنے حرام کو حرام رکھا چنانچہ جس چیز کو اس نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام فرمایا وہ حرام ہے اور جس چیز کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا تو وہ معاف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ 1

قُلْ لَا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً".

"آپ فرما دیجئے جو کچھ (احکام) میرے پاس وحی کے ذریعے آئے ہیں ان میں سے کسی کھانے والے کے لئے میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو"۔ (ابوداؤد)

(49/5230) انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں میں سے ہر کوچلی والے جانور اور پرندوں میں سے ہر پنجے والے جانور سے منع فرمایا۔ 2

---

1 قوله "قُلْ لَا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ"...... الخ "آپ فرما دیجئے جو کچھ (احکام) میرے پاس وحی کے ذریعے آئے ہیں ان میں سے کسی کھانے والے کے لئے میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا"۔ اس میں تنبیہ کرنا ہے اس بات پر کہ حرمت کا علم محض وحی سے حاصل ہوتا ہے خواہش سے نہیں۔ (کذافی المرقات)

2 قوله "نهی رسول الله...... الخ. "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا"۔

(مسلم)

(50/5231) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

یعنی جو کونچلی والا (درندہ) اپنی کو نچلی سے شکار کرتا ہے وہ حلال نہیں اس حکم سے اونٹ جیسے جانور خارج ہیں۔ اسی طرح پنجے والا پرندہ جو اپنے پنجے یعنی ناخن سے شکار کرتا ہے حلال نہیں اس (حکم) سے کبوتر جیسے پرندے نکل گئے۔ لفظ ''من سبع'' ذی ناب (کو نچلی والے) کا بیان ہے اور درندہ سے مراد عام طور پر ہر اُچک لینے والا چھین لینے والا زخمی کرنے والا، قتل کرنے والا جانور ہے اور لفظ ''اوطیر'' ذی مخلب (پنجے والے) کا بیان ہے اور حشرات کا کھانا بھی حلال نہیں ہے حشرات حشرۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی زمین کے چھوٹے چھوٹے جاندار کیڑے مکوڑے کے ہیں اور پالتو گدھے بھی حلال نہیں ہیں برخلاف نیل گائے کے کہ وہ اور اس کا دودھ حلال ہے۔ (درمختار)

صاحبِ ردالمحتار اور صاحبِ کفایہ نے کہا ہے حرمت میں موثر (یعنی حرمت پیدا کرنے والی شئے) اس کی ایذا رسانی ہے اور وہ کبھی کو نچلی کے ذریعے اور کبھی پنجے کے ذریعے ہوتی ہے یا اس کی نجاست ہے جو موجب حرمت ہے اور یہ کبھی پیدائشی بھی ہوتی ہے جیسے حشرات الارض کیڑے مکوڑے اور کبھی کسی عارضی شے کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ جلالہ (گندگی اور غلاظت کھانے والا جانور) اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ان چیزوں کی طبیعت ازروئے شرع مذموم اور قبیح ہے پس ان کے گوشت کی وجہ سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان کی طبیعتوں میں کی کوئی چیز پیدا ہو جائے اس لئے انسانوں کے اکرام واعزاز کے بطور ان کو حرام کیا گیا ہے جس طرح شرعاً حلال کردہ چیزوں کے حلال کئے جانے میں بھی انسانوں کا اکرام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے کہا: اس حدیث شریف کے حکم میں بجو اور لومڑی بھی شامل ہے۔

وسلم نے فرمایا: ہر کوچلی والا درندہ تو اس کا کھانا حرام ہے۔ (مسلم)

(51/5232) ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جنگلی گدھے (نیل گائے) کو دیکھا اور اس کو زخمی کردیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہمارے ساتھ اس کا پاؤں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا اور تناول فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

(52/5233) ابوثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(53/5234) زاہر اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں گدھوں کے گوشت کی ہانڈیوں کے نیچے آگ جلا رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

(54/5235) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا 1 یعنی خیبر کے دن پالتو گدھوں سے اور خچر کے گوشت سے اور ہر کوچلی والے درندہ

پس یہ حدیث شریف امام شافعی کے خلاف حجت ہے۔ اور ان دونوں کو مباح قرار دینے کے سلسلے میں امام زیلعی نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (بجو، لومڑی) کو مباح قرار دیا ہے تو وہ ابتداء زمانہ پر محمول ہے (انتھی)۔ اور شرح السنۃ میں ہے ہر وہ جانور جس کا کھانا حلال نہیں ہے اس کا دودھ پینا بھی حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ بچوں کے لئے ہو اور ہر وہ پرندہ جس کا گوشت حلال نہیں اس کا انڈا بھی حلال نہیں۔ (کذافی المرقاۃ)

1 قولہ "حرم رسول اللہ ا یعنی یوم خیبر الحمر الانسیۃ ولحوم البغال".
"رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا یعنی خیبر کے دن پالتو گدھوں کو اور خچر کے گوشت کو)۔

سے اور ہر پنجہ والے پرندہ سے۔ (ترمذی)

(55/5236) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

صاحب درمختار نے کہا ہے: پالتو گدھے اور وہ خچر جس کی ماں گدھی ہو حلال نہیں ہے۔ اور اگر اس کی ماں گائے ہے تو بلا اتفاق اس کو کھایا جا سکتا ہے اور اگر اس کی ماں گھوڑی ہے تو (اسکا حکم) اس کی ماں کی طرح ہے۔

1 قولہ "نھی عن اکل لحوم الخیل"...... الخ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے"۔ صاحب بذل المجہود نے کہا ہے گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے مختلف روایات منقول ہیں۔ آپ سے حسن بن زیاد کی روایت کے بموجب آپ کے پاس گھوڑے کا گوشت کھانا حرام ہے۔ البتہ ظاہر الروایت میں امام اعظمؒ سے مروی یہ ہے کہ اس کا کھانا مکروہ ہے۔ مطلق حرمت کا حکم نہیں لگایا گیا ہے کیونکہ اس باب میں مروی احادیث کے اختلاف اور سلف کے اختلاف کی بناء پر آپ نے اس کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیا ہے۔ اور حرمت کے بیان میں احتیاط کے پیش نظر اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ امام اعظم کی حسن بن زیاد سے منقول روایت کی بناء پر کتاب اللہ سے آپ کا استدلال اللہ جل شانہ کے اس قول سے ہے۔ "وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً"۔ "اور اسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سواری کا کام لو اور ان میں زینت بھی ہے"۔ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت سے اس کے کھانے کی کراہیت پر استدلال کیا ہے وہ اس طرح کہ ان سے گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی پھر کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس میں "لِتَاْكُلُوْهَا"۔ "تا کہ تم اس کو کھاؤ" نہیں فرمایا۔ اب رہا حدیث شریف تو وہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب خیبر کے دن لوگوں کو سخت بھوک کی تکلیف پہنچی تو

گھوڑوں، خچر اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ 1 (ابوداؤد و نسائی)

(56/5237) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے

وہ پالتو گدھوں کو لے کر ان کو ذبح کیے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔ اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا۔ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پالتو گدھے اور پالتو گھوڑے تم پر حرام قرار دیئے گئے۔ یہ اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس باب میں اجماع سے استدلال اس طور پر ہے کہ خچر با جماع امت حرام ہے جب کہ وہ گھوڑی کا بچہ ہے۔ اور اگر اسکی ماں حلال ہوتی تو یہ بھی حلال ہوتا کیونکہ بچہ کا حکم اور ماں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کہ وہ (بچہ) اسی سے ہے اور اس کے ایک حصہ کی طرح ہے پس جب گھوڑے کا گوشت حرام ہے تو خچر کا گوشت بھی اسی طرح حرام ہوگا۔ البتہ اس کی اجازت و اباحت سے متعلق جو احادیث شریفہ آئی ہیں تو ان میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ اجازت ان حالات میں تھی جن میں خیبر کے دن گدھے کھائے جاتے تھے اور گھوڑے کو بھی اس وقت میں کھایا جاتا تھا۔ پھر حرام کر دیئے گئے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام زہریؒ سے آئی ہے کہ انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ گھوڑے کھائے گئے ہوں سوائے محاصرہ خیبر کے وقت اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے غزوات میں گھوڑوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ پس یہ دلیل ہے اس بات پر کہ وہ حضرات بحالتِ ضرورت اس کو کھاتے تھے۔ جیسا کہ امام زہری نے کہا ہے یا تو دلیل کی بناء پر تناقض سے بچنے کے لئے اس کو اس پر محمول کیا جائے۔ یا اس بناء پر کہ ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ حرمت والی دلیل کو حلت والی دلیل پر احتیاط کے طور پر اور مولانا محمد یحییٰ مرحوم نے "واذن لنا فی

خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت مرحمت

لحوم الخیل". "اور ہم کو گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں اجازت دیدی گئی"۔ کے بارے میں لکھا ہے اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ (اجازت) خیبر کے دن کی تھی۔ اور اجازت سے جو مراد ہے اس کی تفسیر بعد والی روایت کر رہی ہے کہ حضورِ اکرم ا کے سامنے یہ جب بات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرمت کی جو حدیث روایت کی ہے اس میں شک نہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ لہٰذا حرمت کی روایت متاخر (یعنی بعد والی روایت) ہے۔ صحابی کی روایت کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ بغیر کسی واسطہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کئے ہوتے ہیں اور اس میں واسطہ کے احتمال کو پیدا کرنا اس کو اصل سے ہٹانا ہے اور یہ بغیر کسی ضرورت کے قابل قبول نہیں۔ انتھی۔ صاحبِ ردمختار نے کہا ہے کہ امام اعظم کے پاس گھوڑے حلال نہیں جب کہ صاحبین اور امام شافعی کے پاس وہ حلال ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام اعظم نے اپنے وصال سے تین دن پہلے اس کی حرمت کے قول سے رجوع فرمالیا تھا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے؟

صاحبِ ردالمختار نے کہا ہے کہ مکروہِ تنزیہی ہے اور یہی ظاہر الروایت ہے۔ جیسا کہ کفایۃ البیہقی میں ہے جیسا کہ فخر الاسلام اور دیگر حضرات نے ذکر کیا ہے یہی بات صحیح ہے۔ (قہستانی) پھر کراہت تحریمی کے قول کی تصحیح خلاصہ، ہدایہ، محیط مغنی، قاضی خان اور عمادی وغیرہم سے منقول ہے اور متون میں یہی بات ہے۔ ابوالسعود نے یہ بات بتلائی ہے کہ پہلے قول کے مطابق امام اعظم اور صاحبین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کیونکہ صاحبین نے اگرچہ اس کی حلت کی رائے دی ہے تاہم کراہت تنزیہی کے ساتھ کہا ہے جیسا کہ اس کی تصریح شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے۔ طحطاوی نے کہا یہ اختلاف خشکی کے گھوڑوں کے

فرمائی۔(بخاری ومسلم)

(57/5238) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے ایک خرگوش کو مرالظہران میں (جھاڑی میں سے) بھگایا پھر میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو لے کر ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو ذبح کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کی سرین اور ران بھیجا۔ تو آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔ 1 (بخاری ومسلم)

(58/5239) عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم

بارے میں ہے البتہ سمندری گھوڑوں کے بارے میں تو یہ ہے کہ بالاتفاق وہ کھائے نہیں جاسکتے۔

1 قولہ "فقبلہ". "تو آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا"۔ کتاب الرحمۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے خرگوش بالاتفاق حلال ہے اسی طرح مرقاۃ میں بھی اسی طرح ہے۔

2 "نھی عن اکل لحم الضب". (گھوڑپھوڑ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا)۔ ضب کو فارسی میں "سوسمار" کہا جاتا ہے اور ہندی زبان میں "گوہ" کہا جاتا ہے اور یہ ہمارے پاس مکروہ ہے اور ہمارے فقہاء کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور ہمارے محدثین کراہت تنزیہی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ وہ حلال ہے اور ہم کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ابتداء زمانہ میں اس کے بارے میں توقف فرمائے ہوئے تھے پھر آپ ﷺ کی رائے مبارک اس کے ترک پر قائم ہوگئی اور شافعیہ نے کہا کہ ممانعت ابتداء میں تھی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی اور میں کہتا ہوں کہ اجازت اور ممانعت ہر دو سے متعلق صحیح حدیث موجود ہیں اور اختلاف ترتیب (تقدیم وتاخیر) کے بارے میں ہے اور امام مسلم نے اپنی کتاب میں جو ذکر کیا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے کہ انہوں نے ممانعت والی احادیث کا ذکر اخیر میں ذکر کیا ہے یہ بات صاحب عرف شذی نے بتائی ہے اور

ﷺ نے گھوڑ پھوڑ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ 2 ابوداؤد نے اس کی روایت اور اس پر سکوت اختیار کیا۔ 3 پس یہ ان کے پاس حسن یا صحیح ہے اور صاحب درمختار نے کہا ہے اس

صاحب بذل المجھود نے کہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ابتداء میں اس کو جائز قرار دیا تھا۔ لیکن کراہت و ناگواری کے باعث اس کو ترک فرمادیا اور یہ عذر بیان فرمایا کہ یہ میری قوم کی سرزمین میں نہیں ہوتا ہے اس لئے میں اپنے آپ کو اس سے نفرت کرتے ہوئے پاتا ہوں پھر اس کے بارے میں آپ ﷺ نے توقف فرمایا اس احتمال پر کہ یہ مسخ شدہ جانوروں کی قسم سے ہو پس آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں کوئی امر نہیں فرمایا اور نہ اس سے منع فرمایا۔ لہٰذا یہ اباحت اصلیہ کے حکم میں ہوگا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اس سے ممانعت فرمادی لہٰذا وہ حرام ہوگیا اور یہ توجیہ سب سے بہتر توجیہ ہے کیونکہ اس میں حرمت کے پہلو کو حلت کے پہلو پر غلبہ ہے۔

3 قولہ "وسکت علیہ". "(امام ابوداؤد نے) اس پر سکوت اختیار کیا ہے"۔ منذری نے کہا: اس کی اسناد میں اسمٰعیل بن عیاش اور ضمضم بن زرعہ ہیں اور ان دونوں کے بارے میں کلام ہے۔ ہم کہتے ہیں اسمٰعیل جب اہل شام سے روایت کرتے ہیں تو ان کی حدیث صحیح اور قابل استدلال رہتی ہے۔ جیسا کہ اہل علم نے صراحت فرمائی ہے اور ضمضم حمصی یہ شامی ہیں کیونکہ مقام حمص ملک شام میں ہے اور امام بیہقی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ خون نکلنے کی وجہ وضو ٹوٹنے کے بارے میں ان کی اہل شام سے مروی حدیث صحیح ہے۔ اسی لئے ابوداؤد نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔ جو ان کے پاس حسن یا صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ امام بخاری اور ابن معین اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ ان کی اہل شام سے روایت صحیح ہے اب رہا ضمضم کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے یہ صدوق ہیں کبھی ان کو وہم ہوجاتا

کے کھانے پر جو روایت آئی ہے وہ ابتداء زمانہ پر محمول ہے۔

(59/5240) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغ کا گوشت تناول فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ 1؎ (بخاری و مسلم)

(60/5241) زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرغ کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ نماز کیلئے اطلاع دیتا ہے۔ (شرح السنۃ)

(61/5242) انہی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مرغ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔ (ابوداؤد)

(62/5243) ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ

ہے اور یہ صفت بخاری و مسلم کی بکثرت راویوں میں موجود ہے لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام عینی نے کہا امام ترمذی نے ابن عیاش کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ شرجیل بن مسلم آئی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اسی طرح تنسیق النظام میں ہے۔

1؎ قولہ "رایت رسول اللّٰہ یاکل لحم الدجاج". (میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغ کا گوشت تناول فرماتے ہوئے دیکھا ہے)۔ صاحبِ عمدۃ القاری نے کہا ہے اس حدیث شریف میں مرغ کا گوشت کھانے کا جواز ہے اور کتاب توضیح میں ہے مرغ کے جواز پر اجماع منعقد ہے۔

2؎ قولہ "کنا ناکل معہ الجراد". (ہم آپ ﷺ کے ساتھ ٹڈے کھایا کرتے تھے)۔ صاحبِ عمدۃ القاری نے کہا ہے علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ اس کو بغیر ذبح کئے کھایا جاسکتا ہے۔ البتہ مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس کو ذبح کرنا شرط ہے۔ لیکن کیفیت ذبح میں ان کے (یعنی مالکی حضرات کے) درمیان اختلاف ہے کہا گیا کہ اس کا سر کاٹ دیا

کے ہمراہ سات غزوات کیئے ہم آپ ﷺ کے ساتھ ٹڈے کھایا کرتے تھے۔ 2 (بخاری و مسلم)

(63/5244) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لئے دو 1 مرے ہوئے جانور اور دو خون حلال کیے گئے، دو مرے ہوئے جانور مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔ (احمد، ابن ماجہ، دار قطنی)

جائے گا۔ اور ابن وہب نے کہا ہے کہ اس کو پکڑنا ہی اس کو ذبح کر دینا ہے اور امام مالک سے ایک روایت ہے اگر اس کو زندہ پکڑ لے پھر اس کا سر کاٹ دے یا اس کو بھون لے یا تل لے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اس کو زندہ پکڑ کر اس سے غافل ہو جائیں یہاں تک کہ وہ مر جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ امام طحاوی نے کتاب الصید میں ذکر کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے کہا گیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں کیا ٹڈی آپ کے پاس مچھلی کے درجہ میں ہے جو کوئی ان میں سے کسی کو پالے تو اس کو کھا سکتا ہے خواہ بسم اللہ پڑھے نہ پڑھے؟ تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو میں نے کہا ٹڈی جہاں بھی پائی جائے گی میں اس کو کھالوں تو انہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا اگر چہ میں اس کو کسی زمین پر مرا ہوا پاؤں؟۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تو میں نے کہا اگر چہ اس پر بارش برس کر اسے ہلاک کر ڈالے۔ انہوں نے کہا: ہاں ٹڈی کو کوئی چیز کسی بھی حال میں حرام نہیں کر سکتی۔ (انتھی ہدایہ)

1 قولہ المیتتان الحوت والجراد الخ (دو مرے ہوئے جانور مچھلی اور ٹڈی ہیں) ائمہ اربعہ نے فرمایا ٹڈی کھانا حلال ہے چاہے وہ طبعی موت مرے یا ذبح کرنے سے یا کسی مجوسی یا مسلمان کے شکار کرنے سے خواہ اس کا کچھ حصہ کاٹا جائے یا نہ کاٹا جائے اور امام احمد سے مروی ہے کہ اگر اس کو سردی ہلاک کر دے تو نہیں کھایا جائے گا اور امام مالک کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس کا سر کاٹا جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں اور اس کے ہر حال میں حلال ہونے کی دلیل حضور ﷺ کا یہ فرمان: "احلت لنا میتتان" ہے۔ (مرقاۃ)

(64/5245) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں جیش خبط میں شریک ہوا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس کے امیر بنائے گئے تھے ہم کو سخت بھوک لاحق ہوئی سمندر نے ایک ایسی مردہ مچھلی باہر پھینکی کہ اس جیسی (مچھلی) ہم نے دیکھی نہیں تھی، جس کو عنبر کہا جاتا ہے پس ہم اس میں سے آدھے مہینے تک کھاتے رہے۔ ابوعبیدہؓ نے اس کی ہڈیوں میں ایک ہڈی لی اور اس کے نیچے سے ایک سوار گزر گیا، جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، اس رزق کو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نکالا ہے اور اگر وہ تمہارے ساتھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ راوی نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس میں سے پیش کیا آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

(65/5246) مالک نے نافع سے روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا، اس چیز کے بارے میں جس کو سمندر باہر ڈال دیا ہے تو انہوں نے (عبداللہ) نے ان کو اس کے کھانے سے منع کیا۔ نافع نے کہا پھر عبداللہ پلٹے اور قرآن شریف منگوا کر یہ آیت تلاوت فرمائے:

"احل لکم صید البحر و طعامه متاعا لکم و للسیارة"

نافع نے کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابوہریرہ کے پاس روانہ کیا۔ (یہ بتانے کے لیے) کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہم ابن عمر رضی اللہ عنہما کا آخری قول لیتے ہیں، کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں جس کو سمندر نے پھینکا ہو، اور اس میں سے جس سے پانی ہٹ گیا ہو اس کے سوا نہیں اس میں سے طافی (جو پانی میں مر کر پلٹ جائے) مکروہ ہے۔ اور یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے عام

---

1 قوله: و هو قول ابی حنیفه، الخ (اور وہ (امام اعظم ابوحنیفہ) کا قول ہے) اور

فقہاء رحمہم اللہ کا قول ہے۔ 1

(66/5247) ابوزبیر جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو سمندر پھینک دے اور جس سے پانی ہٹ جائے تو اس کو کھاؤ اور جو سمندر میں مرجائے 1 اور مر کر پلٹ جائے تو اس کو مت کھاؤ۔ (ابوداؤد،

یہ جابر، علی، ابن عباس سعید بن المسیب اور ابوشعثاء، نخعی، داؤد، زہری رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول ہے، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق اور دیگر حضرات نے ان سے اسی قول کو ذکر کیا ہے دار قطنی اور بیہقی نے سمک طافی کی حلت کی حدیث حضرت ابوبکر اور ابوایوب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہی قول امام شافعی، امام احمد، اور بعض تابعین کا ہے اور وہ حضرات حدیث شریف: "هو الطهور ماؤه الحل ميتته" سے اس کو مطلق قرار دے کر اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں، اور حدیث شریف میں ہمارے لئے دو مرے ہوئے جانور اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، مرے ہوئے دو جانوروں سے مراد مچھلی اور ٹڈا ہے اور اب رہے دو خون تو وہ جگر اور تلی ہے۔

ابن ماجہ، امام احمد، عبد بن حمید، دار قطنی، ابن مردویہ اور دیگر حضرات نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، ہمارے اصحاب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ سمندر کا مرا ہوا جانور وہی ہے جس کو سمندر نے پھینکا ہو یا جس سے پانی ہٹ جائے تا کہ اس کا مرنا سمندر کی طرف منسوب ہو بغیر کسی آفت کے طبعی موت مر کر جو پانی پر پلٹ جائے تو وہ میتة البحر نہیں ہے، کتاب بنایہ درایہ میں اسی طرح ہے اور صاحب تعلیق مجد نے یہ بات بتائی ہے۔

1 قوله وما مات فيه و طفافلا تاكلوه. اور جو اس میں مرجائے اور پلٹ جائے تو اس کو مت کھاؤ شرح السنہ میں ہے کہ سمک طافی (مر کر پلٹی ہوئی مچھلی) کے مباح ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، پس صحابہ اور تابعین میں سے ایک جماعت نے اس کو مباح قرار

ابن ماجہ) اورامام محی السنہ نے کہا کہ اکثر محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا اس کا موقوف ہونا ضرر نہیں دیتا کیونکہ اس طرح کی موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

(67/5248) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے 1 تو اس بالکل ڈبودے پھر اس کو پھینک

دیا ہے اور یہی قول امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کا ہے اور ان میں سے ایک جماعت نے اس کو مکروہ کہا ہے یہ بات حضرت جابر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اصحاب ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

1 قولہ اذا وقع الذباب رفی اناء احدکم، الخ. (جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے) اور شرح السنہ میں ہے کہ اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ مکھی پاک ہے اور اس طرح تمام حیوانات کے اجسام بھی پاک ہیں سوائے ان کے جن پر سنت سے دلیل قائم ہو، جیسے کتا اور خنزیر ہے۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس جانور میں بہتا خون نہ ہو جب کسی قلیل پانی یا کسی مشروب میں اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ اس کو ناپاک نہیں کرتا۔ جیسا کہ مکھی اور شہد کی مکھی، بچھو، گبریلا، ڈوری، اور اس جیسے جاندار ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ برتن میں مکھی ڈبودینے سے کبھی اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اگر مکھی کا اس میں مرجانا اس کو ناپاک کرتا تو کھانے کو ناپاک کردینے کے اندیشہ کے پیش نظر حضور ﷺ اسکو ڈبونے کا حکم نہ فرماتے اور جمہور فقہاء کا قول یہی ہے۔

اور کتاب رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے پاس مکھی بہنے والی چیز کو خراب نہیں کرتی اور فی نفسہ وہ پاک ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ وہ بہنے والی چیز کو ناپاک نہیں کرتی اور لیکن وہ مرنے

دے کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک میں شفاء ہے اور دوسرے میں بیماری ہے۔ (بخاری)

(68/5249) اور انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو تم اس کو ڈبو دو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفاء ہے اور وہ اپنے اس پر سے بچاؤ کرتی ہے جس میں بیماری ہے۔ پس چاہیے کہ اس کو بالکل ڈبو دے۔ (ابوداؤد)

(69/5250) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب مکھی کھانے میں گر جائے تو اس کو ڈبو دو کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک میں زہر ہے اور دوسرے میں شفا ہے اور وہ زہر کو سامنے رکھتی ہے اور شفا کو پیچھے رکھتی ہے۔ (شرح السنہ)

(70/5251) میمونہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چوہا گھی میں گر کر مر گیا تو

سے فی نفسہ ناپاک ہو جاتی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (مرقات)

اور مرقات میں ایک دوسری جگہ کتاب حیوۃ الحیوان میں ہے کہ مکھی کی کوئی بھی قسم ہو اس کا کھانا حرام ہے، اور ایک صورت ایسی بھی ہے کہ اس میں اس کا کھانا حلال ہے۔ جس کو رافعی نے بیان کیا ہے اور احیاء العلوم میں ہے کہ اگر پکی ہوئی ہانڈی میں مکھی یا چیونٹی گر جائے اور اس کے اجزاء فنا ہو جائیں تو اس پکی ہوئی چیز کا کھانا حرام نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکھی چیونٹی اور اس جیسی چیزوں کے کھانے کو حرام قرار دیا جانا ناگواری طبیعت کی وجہ سے ہے اور یہ برخلاف اس کے طبیعت کی ناگواری کا موجب نہیں ہوتا۔

1. قولہ القوھا و ما حولھا و کلوہ. (اس کو اور اس کے اطراف کو نکال کر پھینک دو) اور اس (گھی) کو کھالو۔ صاحب عمدۃ القاری نے کہا اس بات پر اجماع منعقد ہے کہ یہ حکم جامد گھی کا ہے البتہ پتلا گھی اور اس طرح دیگر مائعات تو اس میں کوئی اختلاف

رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو اور اس کے اطرف کو نکال کر پھینک دو 1 اور اس (گھی) کو کھالو۔ (بخاری)

(71/5252) اور امام طحاوی نے اپنی دو کتابوں ''مشکل الآثار'' اور ''اختلاف العلماء'' میں ایسی سند سے راویت کیا ہے کہ جس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے اس چوہے کے بارے میں پوچھا گیا جو گھی میں گر گیا ہو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر گھی جما ہوا ہے تو اس کو اور اس کے اطراف کو نکال کر پھینک دو اور اگر وہ پگھلا ہوا یا پتلا ہو تو اس کو چراغ میں استعمال کرو، یا اس سے کوئی نفع حاصل کرو، اس حدیث کو صاحب تمہید نے بھی ذکر کیا اور علامہ عینی نے کہا ہے اس کو بیچنا بھی فائدہ اٹھانے کے باب میں آتا ہے۔

(72/5253) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس کو بیچ دو اور جس کو بیچ رہے ہیں اس کو بتلا دو اور اس کو کسی مسلمان کے ہاتھ مت بیچو، ابن وہب

نہیں کہ اگر اس میں چوہا یا اس جیسی کوئی چیز گر جائے تو اس میں سے کوئی بھی چیز نہیں کھائی جاسکتی لیکن اس کو فروخت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حسن بن صالح اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے جس طرح اس کو کھایا نہیں جاسکتا اسی طرح اس کو بیچا نہیں جاسکتا اور اس کے کسی چیز سے استفادہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ثوری اور امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ نے کہا: اسے چراغ میں استعمال کرنا اور صابن وغیرہ کے لئے اس سے استفادہ کرنا درست ہے، البتہ اس کو بیچنا اور کھانا جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور فقیہ لیث نے کہا ہے کھانے کے سوا اس سے ہر چیز میں نفع حاصل کیا جاسکتا ہے، اور اس کا بیچنا بھی بشرط بیان جائز ہے اور ہماری دلیل امام طحاوی کی نقل کردہ حدیث اور ابوموسیٰ وابن وہب کی مرویات ہیں۔

نے قاسم اور سالم رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور ان دونوں نے اس متعلق بیان کردینے کے بعد اس کو بیچنے اور اس کی قیمت لینے کو جائز قرار دیا۔ ملا علی قاری نے کہا ہے حضور ﷺ کے ارشاد "فلا تقربوہ" اس کے قریب مت جاؤ سے مراد کھانے کی غرض سے اس کے قریب جانے سے منع کرنا ہے، فائدہ اٹھانے کی غرض سے اس کے قریب جانے سے منع مقصود نہیں ہے۔

(73/5254) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا سانپوں کو مار ڈالو [1] اور دو نقطے والے اور چھوٹی دم کٹے سانپ کو مار ڈالو کیونکہ یہ دونوں بصارت کو زائل کردیتے ہیں اور حمل کو گرادیتے ہیں۔ عبداللہ نے

---

[1] قولہ اقتلوا الحیات، الخ. (سانپوں کو مار ڈالو) صاحب رد المحتار نے کہا ہے امام طحاوی نے کہا تمام قسم کے سانپوں کو مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گھروں میں داخل نہ ہوں، پس جب وہ داخل ہوئے تو گویا انہوں نے عہد شکنی کی ہے، لہذا ان کے لئے کوئی ذمہ نہیں ہوگا، البتہ عذر کا موقع دینا اور ان کو آگاہ کرنا بہتر ہے، چنانچہ اس طرح کہا جائے گا کہ اللہ کے حکم سے واپس چلے جاؤ اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو قتل کر ڈالے (اھ) یعنی آگاہ کرنا اور متنبہ کرنا یہ حکم غیر نماز میں ہے۔ (بحر)۔ صاحب حلیہ نے کہا اور امام طحاوی اور بہت سے حضرات نے ان کی موافقت کی ہے اور اس میں سب سے اخیر میں ہمارے شیخ یعنی ابن ہمام ہیں۔ پس انہوں نے کہا کہ حق بات تو یہ ہے کہ ان کو قتل کرنے کا جواز وحلت ثابت شدہ امر ہے، مگر یہ کہ جس میں جنات کی علامت ہے اس کے قتل سے رک جانا بہتر ہے اور یہ ان کے قتل کے حرام ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے طرف سے پیدا ہونے والے ایک وہمی ضرر کو دفع کرنے کی غرض سے ہے۔

کہا اسی اثنا میں کہ میں ایک سانپ کو مارنے کے لئے حملہ کر رہا تھا کہ ابولبابہ نے مجھے ندا دی، اس کو قتل مت کرو، میں نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپوں کو مارنے کا حکم فرمایا ہے تو انہوں نے کہا آپ ﷺ نے اس کے بعد گھروں میں رہنے والوں سے منع فرمایا اور وہ گھروں میں رہنے والے سانپ ہیں۔ (متفق علیہ)

صاحب درمختار نے کہا ہے اس حدیث میں قتل کرنے کا حکم اباحت کے طور پر ہے کیونکہ ان کو قتل کرنے میں ہمارے لئے فائدہ ہے اور تکلیف کے اندیشہ کی بناء پر سفید سانپ کو چھوڑ دینا بہتر ہے۔

(74/5255) عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ بے شک ہم زمزم کے کنویں کو صاف کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ چھوٹے چھوٹے سانپ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ (ابوداؤد)

(75/5256) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام قسم کے سانپ کو مار ڈالو سوائے اس سفید سانپ 1 کے جو چاندی کی شاخ کے مانند ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

(76/5257) عکرمہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

---

1 قولہ الا الجان الابیض، الخ. (سوائے اس سفید سانپ کے) صاحب مرقات نے کہا ہے حنفیہ کے پاس سفید سانپ کو نہ مارنا مناسب ہے کیونکہ وہ جنات میں سے نہیں ہے اور امام طحاوی نے کہا تمام قسم کے سانپوں کو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ ان کو متنبہ کر دینا بہتر ہے۔

2 قولہ: من ترکھن خشیۃ ثائر فلیس منا. (جو کوئی ان کو انتقام اور بدلہ لینے کے ڈر سے چھوڑ دے تو وہ ہم میں سے نہیں) شارح علیہ السلام نے کہا جاہلیت کے دستور کے

انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا مگر یہ کہ ابن عباس نے اس کو مرفوع بیان فرمایا کہ حضور ﷺ سانپوں کو مارڈالنے کا حکم فرماتے تھے اور فرمایا جو کوئی ان کو انتقام لینے کے اندیشہ سے چھوڑ دے تو وہ ہم میں سے نہیں۔ (شرح السنہ) 2

(77/5258) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے ہم نے ان سے جنگ کی ہے کبھی ان سے صلح نہیں کی ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کو خوف کے مارے چھوڑ دے تو وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(78/5259) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام قسم کے سانپوں کو مارڈالو پس جو ان کے انتقام سے ڈرے وہ مجھ سے نہیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

(79/5260) ابوالسائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اسی اثناء میں کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ان کے تخت کے نیچے کچھ حرکت سنائی دی، پس ہم نے دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک سانپ ہے، تب میں جھپٹ پڑا کہ اس کو مارڈالوں اور ابوسعید رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ، پس میں بیٹھ گیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے گھر میں ایک حجرہ کی طرف اشارہ کیے پھر فرمائے تم دیکھ رہے ہو اس مکان کو، میں نے کہا: ہاں، تب انہو

مطابق یہ عادت جاری تھی کہ اس طرح کہا جاتا سانپوں کو قتل مت کرو کیونکہ اگر تم ان کو قتل کردو گے تو ان کا شوہر آئے گا اور انتقام کے طور پر تمہیں ڈس لے گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول وعقیدہ سے منع فرمایا، اسی طرح مرقات میں ہے اور صاحب بذل المجہود نے کہا اسی طرح ہندوستان کے بعض شہروں میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص کسی مخصوص حالت میں سانپ کو مارڈالے تو اس کا شوہر اس کا بدلہ لے گا اور ہر سال اس کو ڈستا رہے گا۔

ل نے کہا اس میں ہم میں سے ایک نئی شادی شدہ نوجوان رہتے تھے، انہوں نے کہا: پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی طرف روانہ ہوئے پس وہ نوجوان نصف النہار کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر والوں کے پاس جایا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے ساتھ اپنے ہتھیار کو لیتے جاؤ، کیونکہ مجھے تم پر بنی قریظہ کا اندیشہ ہے، تو وہ صاحب اپنا ہتھیار لیے، پھر (گھر) واپس لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی اہلیہ دروازہ کے دو پٹوں کے درمیان کھڑی ہوئی ہے، پس انہوں نے ان کی طرف نیزے کو جھکایا تاکہ ان کو نیزہ چبھودیں کیونکہ ان کو یہ دیکھ کر غیرت آگئی تب اس عورت نے ان سے کہا اپنے نیزے کو اپنے پاس روک رکھو اور گھر میں جاؤ تاکہ تم دیکھو کس چیز نے مجھ کو باہر نکالا ہے، پس وہ داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا سانپ ہے جو بستر پر کنڈلی مارا ہوا ہے، فوراً انہوں نے اس کی طرف نیزہ جھکایا اور اس کو اس میں پرو دیا پھر باہر نکلے اور اس کو گھر میں گاڑ دیا، پس وہ سانپ ان پر ٹوٹ پڑا، معلوم نہیں ہوا کہ ان دونوں میں کون پہلے ہلاک ہوا سانپ یا وہ نوجوان۔ راوی نے کہا پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا اور معروضہ کیا کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ان کو ہمارے لئے زندہ فرمادے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی ساتھی کے لئے استغفار کرو پھر فرمایا بیشک ان گھروں میں رہنے والے کچھ جنات ہوتے ہیں پس جب تم میں سے کسی کو دیکھو تو ان پر تین مرتبہ تنگی کرو اگر وہ چلا جائے تو بہتر ہے، ورنہ اس کو مار ڈالو کیونکہ وہ کافر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کرو (80/5261) اور ایک روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مدینہ میں جنات ہیں جو اسلام لاچکے ہیں جب ان میں سے کسی کو دیکھو تو انہیں تین دن تک آگاہ

کرتے رہواور اگران کے بعد بھی ظاہر ہوں تو اس کو مار ڈالو، اس سے سوانہیں کہ وہ شیطان ہے۔(مسلم)

(81/5262) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب گھر میں سانپ نکلے تو تم اس سے کہہ دو بیشک ہم تجھ کو نوحؑ کے عہد کا اور سلیمان بن داوٗد کے عہد کا واسطہ دے کر کہتے ہیں تو ہمیں تکلیف مت دے پھر اگر وہ دوبارہ آئے تو اس کو تم مار ڈالو۔(ترمذی، ابوداوٗد)

(82/5263) ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جنات تین قسم کے ہوتے ہیں ایک قسم وہ ہے جس کے پَر ہوتے ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتے ہیں، اور ان کی ایک قسم سانپ اور کتے ہیں اور ایک قسم وہ ہے جو سکونت کرتے اور سفر کرتے ہیں۔(شرح السنہ)

---

1 قولہ: امر بقتل الوزغ، الخ. (گرگٹ کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا) علامہ کرمانی نے کہا: وزغ ایک جانور ہے جس کو پیر ہوتے ہیں، گھاس کی جڑوں میں دوڑتا ہے، اور ابن اثیر نے کہا: یہ وہی ہے جس کو ''سام ابرص'' کہا جاتا ہے اور علامہ عینی نے کہا یہی بات صحیح ہے اور یہ وہی ہے جو دیواروں اور چھتوں میں رہتا ہے اور اس کی آواز ہوتی ہے جس سے وہ چیختا ہے، صاحب غیاث اللغات نے منتخب سے نقل کیا ہے کہ وزغ گرگٹ ہے اور برہان میں لکھا ہے کہ وہ ''چلپاسا کی ایک قسم ہے جس کو سام ابرص بھی کہتے ہیں، یہ گرگٹ کے مشابہ ہوتا ہے جو گھروں کے چھتوں میں رہتا ہے، ہندی میں اس کو چھپکلی کہتے ہیں۔

اور مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحیی رحمہ اللہ نے کتاب ''نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل'' میں کہا ہے ''استفسار'' کیا کہ گرگٹ کو مار ڈالنا جائز ہے۔ ''استبشار'' ہاں بلکہ اس کو مار ڈالنے میں بڑا ثواب ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ جس نے گرگٹ کو قتل کیا اس نے ستر

(83/5264) ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو مارڈالنے کا حکم فرمایا 1 اور فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے خلاف پھونک رہا تھا (متفق علیہ) اور ابن عبدالبر نے اس کو مارڈالنے کے جواز پر اتفاق نقل کیا ہے۔اسی طرح فتح الباری اور عینی میں ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے موطا میں کہا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے اکثر فقہاء کا یہی قول ہے۔

(84/5265) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو مارڈالنے کا حکم فرمایا اور اس کا نام ''فویسق'' رکھا۔ (مسلم)

(85/5266) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایک مار میں گرگٹ کو قتل کردے اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور

نیکیاں پائیں اور ''خزانۃ الروایات'' میں ''حاشیۃ المشارق'' سے منقول ہے کہ یہ حدیث شریف ام شریک رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

1 قولہ : فاوحیٰ اللہ تعالیٰ الیہ ان قرصتک نملۃ احرقت امۃ، الخ (پس اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی کہ تم کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا لیکن تم نے امتوں میں سے ایک امت کو جو تسبیح کرتی تھی جلا ڈالا) صاحب مرقات نے کہا چیونٹیوں کو مارڈالنے کی ممانعت کی حدیث شریف اور احادیث شریفہ کے درمیان جمع کرتے ہوئے اور اس کو جوں پر قیاس کرتے ہوئے ممانعت کی حدیث کو اس میں سے غیر موذی چیونٹی کے قتل پر محمول کرنا ممکن ہے، کیونکہ چیونٹی کی اذیت کبھی جوں سے سخت ہوتی ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ ابتداء بلی کو مارڈالنا جائز نہیں ہے، مگر اسی صورت میں جبکہ اس سے تکلیف پہنچے۔اور ممکن ہے کہ جلادینا (کا حکم) منسوخ ہو یا جن کو بغیر جلانے کے قتل کرنا ممکن نہ ہو اس پر ضرورۃ محمول کیا جائے۔ اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ چیونٹی کو مارڈالنے کے بارے میں علماء نے بحث کی ہے اور مختار

دوسرے مار میں اس سے کم اور تیسرے میں اس سے کم ۔ (مسلم)

(86/5267) اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قول یہ ہے کہ جب وہ تکلیف دینا شروع کرے تو اس کو مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر تکلیف دینا شروع نہ کرے تو اس کو قتل کرنا مکروہ ہے اور علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ چیونٹی کو پانی میں ڈالنا مکروہ ہے اور جوں کو مار ڈالنا ہر حال میں جائز ہے (خلاصۃ) اور ایک چیونٹی کے وجہ سے چیونٹی کے گھر جلائے نہیں جائیں گے ۔ (فتاویٰ عتابیہ)

1 قولہ النملۃ (چیونٹی) الخ کتاب حیوۃ الحیوان میں ہے چیونٹی جس چیز کو اپنے منہ میں اور پیروں میں پکڑی ہو اس کو کھانا مکروہ ہے۔

حافظ ابونعیم نے کتاب طب نبوی میں صالح بن حوات بن جبیر سے بواسطہ ان کے والد ان کے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو کھانے سے منع فرمایا جس کو چیونٹی نے اپنے منہ اور پیروں میں پکڑا ہو اور چیونٹی کو کھانا اس کے قتل کی ممانعت آنے کی وجہ سے حرام ہے ۔ (مرقاۃ)

2 قولہ النحلۃ الخ (شہد کی مکھی) حیاۃ الحیوان میں ہے مجاہد نے شہد کی مکھی کو قتل کرنا مکروہ ہے اور اس کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے اگرچہ کہ شہد حلال ہے جس طرح عورت کہ اس کا دودھ حلال اور گوشت حرام ہے اور سلف میں سے بعض نے ٹڈے کی طرح اس کو مباح قرار دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے قتل سے منع فرمانا اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔

اور کتاب ابانۃ میں ہے کہ شہد کی مکھی کی بیع مکروہ ہے جبکہ وہ چھتہ میں ہو، اگر وہ پوری طرح سے دکھائی دے تو (بیع) صحیح ہے، ورنہ وہ بیع غائب ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا شہد کی مکھی، ڈکوری اور تمام حشرات الارض کی بیع درست نہیں ۔ (مرقات)

پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کو چیونٹی نے کاٹا تو انہوں نے اس بستی کے لئے حکم دیا تو وہ جلادی

---

3 قولہ الصرد صاحب مرقات نے کہا صرد ''ص'' کے ضمہ اور ''راء'' کے فتح کے ساتھ بڑے سر اور موٹی چونچ والا ایک پرندہ ہے اس کا پر بڑا ہوتا ہے جو آدھا سفید اور آدھا کالا ہوتا ہے۔ (نہایہ)

غیاث اللغات میں منتخب سے منقول ہے صرد ایک بڑے سر کا پرندہ ہے جو چڑیا کا شکار کرتا ہے۔ ''ترجمہ شافیہ'' میں لکھا ہے اس کو فارسی میں ''ورکاک'' اور ہندی میں ''لٹورا'' کہتے ہیں۔ (انتہی)

صاحب مرقات نے کہا عرب صرد پرندے سے نحوست سمجھتے اور اس کی آواز اور اس کی نظر سے بدفالی لیتے ہیں، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع فرمایا تا کہ ان کے دل میں بدفالی کا جو اعتقاد جم گیا تھا، اس کو نکال دیں، پس کہتا ہوں اور اس میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے:

''اللھم لاطیر الا طیرک و لا خیر الا خیرک ولا الہ غیرک اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت و لا یصرف السیئات الا انت''

(اے اللہ! فال تو صرف تیرا فال ہے بھلائی صرف تیری بھلائی ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے اللہ نیکیوں کو تیرے سوا کوئی نہیں لاتا اور برائیوں کو ترے سوا کوئی دفع نہیں کرتا)

اور برائیوں کو ترے سوا کوئی نہیں دفع کرتا اور حیاۃ الحیوان میں ہے اس حدیث کی بنیاد پر صرد پرندے کے کھانے کو حرام قرار دیا جانا ہی صحیح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کو کھایا جاسکتا ہے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے محرم پر جب کہ وہ اس کو قتل کردے تو اس میں جزاء کو واجب قرار دیا اور یہی بات امام مالک رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

گئی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی 1 نازل کی کہ تم کو صرف ایک چیونٹی نے کاٹا تھا لیکن تم نے امتوں میں سے ایک امت کو جو تسبیح کرتی تھی جلا ڈالا۔ (بخاری و مسلم)

(87/5268) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے جانداروں کو مارنے سے منع فرمایا۔ [1] چیونٹی 1 [2] شہد کی

---

1 قوله: اكلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم لحم حبارى. (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا ہے) امیری کی کتاب حیوۃ الحیوان میں ہے حباری لمبی گردن والا خاکستری رنگ کا ایک پرندہ ہے جس کی چونچ میں تھوڑی سے لمبائی ہوتی ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ وہ شکار کیا جاتا ہے وہ خود شکار نہیں کرتا۔ (مرقات)۔ صاحب بذل المجہود نے کہا سرخاب کے گوشت کے حلال ہونے پر اجماع ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی اختلاف ہے۔

2 قوله نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اكل الجلالة، الخ. (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (غلاظت خور) جانور کو کھانے اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے) شرح السنہ میں ہے اس جانور کے بارے میں جو غلاظت کھاتا ہے حکم یہ ہے کہ اس کو دیکھا جائے گا پس اگر وہ کبھی کبھار گندگی کھاتا ہے تو وہ جلالہ نہیں ہے اور اس کی وجہ سے اس کو کھانا حرام نہیں ہوگا، جیسا کہ مرغی ہے، اور اگر اس کی اکثر غذا وہی ہے یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ میں اس کا اثر ظاہر ہوگیا تو اس کے کھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال نہیں مگر یہ کہ چند دن اس کو قید میں رکھا جائے اس کو اس کے سوا دوسرا چارہ کھلایا جائے یہاں تک کہ اس کا گوشت پاکیزہ ہوجائے یہ قول امام شافعی، امام احمد اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ جلالہ کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام اسحاق نے کہا اس

مکھی 2 ے [3] ہدہد [4] صرد پرندہ۔ 3 (ابوداؤد، دارمی)

(88/5269) سفینہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

کو اچھی طرح دھولینے کے بعد اس کو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (مرقات)

اور صاحب رحمۃ الامۃ نے کہا اونٹ یا بکری یا مرغی میں سے جلالہ (غلاظت خور) کا کھانا باتفاق ائمہ ثلاثہ مکروہ ہے اور امام احمد نے کہا اس کا گوشت اور دودھ اور انڈے حرام ہیں اگر اس کو قید میں رکھا جائے اور پاک غذا دی جائے یہاں تک کہ نجاست کی بو زائل ہو جائے تو وہ حلال ہوگا اور بالاتفاق کراہیت ختم ہو جائے گی، پھر کہا گیا کہ اونٹ اور گائے کو چالیس دن، بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن تک قید میں رکھا جائے۔ (انتہی)

ردالمحتار فصل البئر میں ہے علماء نے صراحت کی ہے کہ جلالہ کی قربانی نہیں دی جاسکتی، جیسا کہ اضحیہ کے بیان میں آئے گا، صاحب شرح وہبانیہ اور منتقی نے کہا جلالہ مکروہ ہے کہ تم جب اس کے قریب جاؤ تو اس سے بدبو آنے لگے ایسی صورت میں اس کو کھایا نہیں جائے گا، اس کا دودھ نہیں پیا جائے گا اور اس پر سواری نہیں کی جائے گی اور اس کو بیچنا اور اس کو ہبہ کرنا مکروہ ہے جبکہ اس کی یہ حالت ہو، اور بقالی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا پسینہ ناپاک ہے۔ مصنف نے کتاب الحظر والاباحۃ میں تصریح کی ہے کہ گدھی اور جلالہ کا گوشت مکروہ ہے، اس مقام پر شارح نے کہا جلالہ کو قید کیا جائے حتی کہ اس کے گوشت کی بدبو ختم ہو جائے۔ راجح قول کے مطابق مرغی کے لئے تین دن بکری کے لئے چار دن، اونٹ اور گائے کے لئے دس دن کی مدت کا اندازہ کیا گیا ہے اور اگر وہ نجاست یا اس کے سوا دیگر چیزیں اس طرح کھائے کہ اس کا گوشت بدبودار نہ ہو تو حلال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس جلالہ کا پس خوردہ مکروہ ہے، اس سے مراد وہ ہے جو صرف نجاست کھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا گوشت بدبودار ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ کھایا نہیں جائے گا، اسی لئے صاحب جوہرہ

علیہ وسلم کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔ 1 (ابوداؤد)

(89/5270) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (غلاظت خور) جانور 2 کو کھانے اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی)

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (غلاظت کھانے والے جانور) پر سواری کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(90/5271) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 1 بلی درندوں میں سے ہے۔ امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس کی

نے کہا اگر وہ غلاظت اور دوسری غذا مخلوط طور پر کھاتا ہو یا اس کی اکثریت غذا چوپایوں کی غذا ہو تو اس کا پس خوردہ مکروہ نہیں۔

1 قولہ السنور من السبع. (بلی درندوں میں سے ہے) یعنی درندوں میں بلی بھی داخل ہے کیونکہ اس کو کوچلی ہے، اپنی اس کوچلی سے وہ لڑتی ہے، لہذا بھیڑیے وغیرہ کی طرح اس کا بھی گوشت نہیں کھایا جائے گا۔

2 قولہ لا باس بثمن السنور. (بلی کی قیمت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں) یعنی چوپایوں میں سے تمام قسم کے درندوں کی بیع درست ہے، یہاں تک کہ بلی کی، پس بلی کی بیع درست ہے کیونکہ اس سے گھریلو اذیت دینے والی چیزوں کو دفع کرنے میں نفع اٹھایا جاتا ہے اور اس کی کھال سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور کوچلی والے درندوں کی بیع جیسا کہ شیر، چیتا، بجو، بھیڑیا اور پنجے والے پرندوں کی بیع بھی درست ہے، کیونکہ از روئے شرع ان سے نفع حاصل کرنا جائز ہے، سوائے خنزیر کے کیونکہ وہ نجس العین ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کی بیع بھی درست نہیں اور زمین کے کیڑے

روایت کی ہے (92/5273) اور امام بیہقی نے بھی سنن کبری میں عطا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ بلی کی قیمت میں کوئی حرج نہیں 2 اور خطابی نے کہا منجملہ ان حضرات کے جنہوں نے بلی کی بیع کو جائز قرار دیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری، ابن سیرین اور حکم اور حماد کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک بن انس، سفیان ثوری، امام

مکوڑوں کی بھی بیع درست نہیں جیسا کہ گبریلا اور اسی طرح مچھلی کے سوا تمام سمندری کیڑے مکوڑوں کی جیسے کیکڑا (بیع بھی درست نہیں) اگر چہ کہ وہ اذیت رساں نہ ہوں (ان کی بیع درست نہیں، اور البتہ ہر قیمت والی چیز کی بیعت درست ہے جیسا کہ ریت کی مچھلی ہے، اور اگر سانپوں سے دواؤں میں فائدہ حاصل ہوسکتا ہے تو ان کی بیع درست ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔ (کنز اور شروح کنز کا خلاصہ)

باب

جن چیزوں کا کھانا حلال ہے اور جن کا کھانا حرام ہے

............: ختم ہوا :............

ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رضی اللہ عنہم کا قول بھی یہی ہے۔

(93/5274) خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن غزوہ میں شرکت کی ہے پس یہود حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ لوگوں نے ان کے سبز کھجوروں کی طرف جلدی کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو اہل معاہدہ کے اموال حلال نہیں ہیں مگر اس کے حق کے ساتھ۔ (ابواؤد)

3/192 باب العقیقة

عقیقہ کا بیان

(94/5275) زید بن اسلم سے روایت ہے کہ وہ (قبیلہ) بنی ضمرہ کے ایک شخص سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ا قولہ: من ولدله ولد فاحبّ ان ینسک عن ولدہ فلیفعل، الخ. (جس کسی کو لڑکا پیدا ہوا اور وہ اپنے لڑکے کی طرف سے ذبح کرنا چاہے تو وہ کرے) صاحب ردالمحتار نے "کتاب الاضحیہ" کے آخر میں کہا: ائمہ ثلاثہ کے پاس جس کسی کو لڑکا پیدا ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ ساتویں دن اس کا نام رکھے اور اس کا حلق کرے، اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا سونا صدقہ کرے، پھر حلق کرتے وقت بطور اباحت عقیقہ کرے، جیسا کہ "الجامع المحبوبی" میں ہے یا بطور نفل جیسا کہ طحاوی کی شرح میں ہے اور وہ

عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عقوق (نافرمانی کرنے) کو پسند نہیں کرتا، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس) نام کو ناپسند کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو 1 لڑکا پیدا ہوا اور وہ اپنے لڑکے کی جانب سے ذبح کرنا چاہے تو وہ کرے۔ امام مالک نے اس کی روایت کی ہے اور اس پر باب ”تستحب

(عقیقہ) ایسی بکری ہے جو قربانی کے قابل ہو اس کو نر، اور مادہ کے لئے ذبح کیا جائے گا، خواہ اس کا گوشت کچا تقسیم کیا جائے یا اس کو کھٹے کے ساتھ پکا کر یا اس کے بغیر اس کی ہڈیوں کو توڑ کر یا بغیر توڑے کے اور دعوت کر کے یا دعوت کیے بغیر۔ یہ امام مالک نے کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد نے اس کو سنت موکدہ قرار دیا ہے، کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی جانب سے ایک بکری ہے (ملخص از غرر الافکار) اور صاحب عرف شذی نے کہا: امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ آپ عقیقہ کے قائل نہیں ہیں اور اس وہم کا باعث موطا میں مذکور امام محمد رحمہ اللہ کی ایک عبارت بنی ہے اور حق یہ ہے کہ ہمارے مسلک میں پیدائش کے بعد ساتویں یا چودھویں یا اکیسویں دن اس کا کرنا مستحب ہے، اور وہ اسی دن اس کا نام رکھے گا، اور عمدۃ القاری میں ہے امام اعظم ابوحنیفہ نے کہا: عقیقہ سنت نہیں، اور صاحب ”توضیح“ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور کوفیین سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ بدعت ہے اور اسی طرح ان میں سے بعض نے اس کی شرح میں کہا: وہ صاحب جن سے یہ منقول ہے کہ وہ بدعت ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہ ہیں، میں کہتا ہوں: یہ بہتان ہے پس امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس کو منسوب کرنا جائز نہیں ہے اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب اس طرح کہے ہوں، اور آپ نے تو صرف یہ فرمایا وہ سنت نہیں ہے تو آپ کی مراد یہ ہے کہ یا تو وہ سنت ثابتہ نہیں ہے یا تو سنت موکدہ نہیں ہے۔

العقیقة" باندھا ہے اور ابواوٗد، نسائی، اور طحاوی نے مشکل الآثار میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایسا ہی روایت کیا ہے۔ (مؤطا امام مالک)

(95/5276) محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے عقیقہ کو مستحب کہتے سنا اگرچہ کہ وہ ایک چڑیا سے ہو۔ (مالک)

(96/5277) اور احمد، ترمذی، ابوداؤد، اور نسائی کی روایت میں ہے ساتویں دن اس کی جانب سے ذبح کیا جائے گا اور اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کا سر مونڈا جائے گا اور طحاوی نے مشکل الآثار میں کہا: ہمارے (احناف کے) پاس ان احادیث سے عقیقہ کے مستحب ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے اور اس کے حکم کی جو تاکید مروی ہے وہ نسخ پر محمول ہے۔

(97/5278) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ایک مینڈھے 1 سے عقیقہ کیے۔ (ابواوٗد)

(98/5279) اور ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: وہ نقصان نہیں دے گا تم کو خواہ وہ مرد بچے ہوں یا عورت بچیاں۔

(99/5280) امام مالکؒ نے نافعؒ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

---

1 قوله: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عق عن الحسن و الحسين كبشا كبشا. (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ایک ایک مینڈھے سے عقیقہ کیے) امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ نے یہی کہا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک لڑکا اور لڑکی کے لئے صرف ایک ایک بکری ذبح کی جائے گی۔

اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے پاس لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے گی۔ (ردالمحتار، غرر الافکار)

2 قوله: لاعموم لها عندنا. (اس میں ہمارے نزدیک کوئی عموم نہیں) اور ائمہ

سے ان کے گھر والوں میں سے جس کسی نے عقیقہ کا سوال کیا تو انہوں نے اس کو وہ عطا کیا اور وہ اپنی اولاد کا عقیقہ بچے ہوں کہ بچیاں ایک ایک بکری کرتے تھے۔(مؤطا امام مالک)

(100/5281) ان کی ایک اور روایت میں ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ انکے والد عروہ بن زبیر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا عقیقہ ایک ایک بکری سے کیا کرتے۔(مؤطا امام مالک)

اور ہم کہتے ہیں امام حسن رضی اللہ عنہ کے سر کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا ایک دفعہ کا واقعہ ہے جس میں ہمارے نزدیک کوئی عموم نہیں۔ 2

(101/5282) بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا: زمانہ جاہلیت میں جب ہم میں سے کسی کو کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو وہ ایک بکری ذبح کرتا اور اس کے سر کو اس کے

ثلاثہ کے پاس بچہ کے بالوں کے برابر چاندی یا سونا صدقہ کیا جائے گا۔ (ردالمحتار، غرر الافکار، مسوی)

1 قولہ: و یحنکھم. (اور ان کی تحنیک فرماتے) امام نوویؒ کہتے ہیں اس حدیث میں کئی فوائد ہیں: منجملہ ان کے بچے کی پیدائش کے وقت اس کی تحنیک کرنا اور یہ بالاجماع سنت ہے (اھ)

اور امام نووی رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر کہا ولادت کے موقع پر کھجور سے بچہ کی تحنیک مستحب ہونے پر علماء نے اتفاق کیا ہے۔ پس اگر وہ مل سکے تو اس جیسی اور اسی کے قریب کسی بھی میٹھی چیز سے کرے، پس تحنیک کرنے والا کھجور کو چبائے یہاں تک کہ وہ اس قدر سیال ہو جائے کہ اس کو نگلا جا سکے، پھر نومولود کا منہ کھولے اور اس کو اس میں ڈالے تاکہ اس میں سے کچھ اس کے سینہ میں چلا جائے اور یہ بہتر ہے کہ تحنیک کرنے والے صالحین میں سے اور ان حضرات میں سے ہوں جن سے برکت حاصل کی جاتی ہے، خواہ وہ مرد ہوں کہ عورت۔ اور اگر وہ نومولود کے پاس حاضر نہ ہو تو اس کو ان کے پاس اٹھا کر لیجایا جائے۔

خون سے آلودہ کرتا، پھر جب اسلام آیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرنے لگے اور اس کے سر کو حلق کرتے اور زعفران سے اس کے سر کو لیپتے (ابواؤد) اور رزین نے "ونسمیہ" (اور اس کا نام رکھتے ہیں) کا اضافہ کیا ہے۔

(102/5283) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوٹے بچے لائے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں برکت کی دعا دیتے اور تحنیک فرماتے 1 یعنی کھجور چبا کر تالو میں لگاتے۔ (مسلم)

(103/5284) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہیں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ کا حمل مکہ میں قرار پایا، وہ کہتی ہیں کہ پس وہ مجھ سے قباء میں تولد ہوئے پھر میں ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

1 قولہ: اذن فی اذن الحسن، الخ. (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کے کان میں اذان دی) صاحب مرقات نے کہا: اور یہ حدیث نومولود کے کان میں اذان دینے کے سنت ہونے کی دلیل ہے، اور شرح السنہ میں ہے: روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کے دائیں کان میں اذان دیتے اور بائیں کان میں اقامت کہتے، میں کہتا ہوں: مسند ابو یعلی موصلی میں حسین رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت آئی ہے کہ جس شخص کو کوئی لڑکا پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس کو ام الصبیان (بچوں کی مسان کی بیماری) نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (اھ)

اور صاحب رد المحتار نے "باب الاذان" میں کہا ہے: نمازوں کے سوا کسی کام کے لئے اذان دینا مسنون نہیں ہے۔ ورنہ نومولود کے لئے وہ مستحب ہوتی"۔

...... باب العقیقہ ختم ہوا ......

ی گود میں رکھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور منگوا کر اس کو چبائے پھر اپنے دہن مبارک سے ان کے منہ میں ڈالے، پھر ان کی تحنیک فرمائے، پھر ان کو دعا دیئے اور برکت کی دعا فرمائے، اور وہ زمانۂ اسلام میں پیدا ہونے والے سب سے پہلے مولود ہیں۔ (متفق علیہ)

(104/5285) ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں جس وقت وہ فاطمہؓ کو تولد ہوئے نماز کی اذان دی۔ 1 (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

---

1 قولہ: برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ: (کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بھی وضوء کرنے میں ہے) یعنی (وضوء سے مراد) دونوں ہاتھوں کا دھونا۔

کل کا اطلاق جز پر مجازاً کیا گیا ہے یا یہ یعنی لغوی اور معنی عرفی پر مبنی ہے (مرقات)۔ عالمگیری میں ہے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا سنت ہے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے آداب یہ ہیں کہ (ہاتھ دھونا) نوجوانوں سے شروع کیا جائے پھر عمر رسیدہ حضرات سے (کھانے کے بعد اس کے برعکس کیا جائے)۔ (ظہیریہ)

نجم الائمہ، بخاری اور دوسروں نے کہا ایک ہاتھ کا دھونا یا دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا دھونا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی سنت کے لئے کافی نہیں ہوگا کیونکہ احادیث میں " غسل الیدین " دونوں ہاتھوں کا دھونا مذکور ہے اور وہ کلائیوں تک ہوتا ہے (قنیہ 2)

20 كتاب الاطعمة

کھانوں کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: اے ایمان والو: اچھی چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو (بقرہ۔ آیت 172)

(1/5286) سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے توراۃ میں پڑھا کہ کھانے کی برکت کھانے کے بعد وضو کرنے میں ہے۔ میں نے نبی اکرم

کھانے سے قبل وہ اپنے ہاتھ کو دستی سے نہ پوچھے تاکہ کھاتے وقت دھونے کا اثر باقی رہے اور کھانے کے بعد اپنے ہاتھ کو پونچھ لے تاکہ کھانے کا اثر مکمل طور پر زائل ہوجائے۔ (خزانۃ المفتین)

کتاب یتیمیہ میں ہے کہ میرے والد سے کھانے کے وقت منہ دھونے سے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ ہاتھ دھونے کی طرح سنت ہے تو انہوں نے کہا: نہیں (تاتارخانیہ میں اسی طرح ہے) جنبی خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کیلئے دونوں ہاتھ اور منہ دھونے سے قبل کھانا یا پینا مکروہ ہے۔ حائضہ عورت کیلئے مکروہ نہیں ہے۔ تمام مقامات میں منہ کو صاف کرنا مستحب ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان)

1 قولہ وھو فی المسجد فاکل واکلنا معہ (جبکہ آپ مسجد میں تھے تو آپ تناول فرمائے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھائے) ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے یا آپ کے پاس مہمان موجود تھے یا آپ ﷺ نے بیان جواز کیلئے ایسا کیا کیونکہ مسجد میں کھانا مباح ہے بشرطیکہ مسجد ملوث نہ ہو۔ (مرقات)

2 قولہ ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء (اور ہم نے اپنے ہاتھوں کو

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھانے کی برکت 1 کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بھی وضو کرنے میں ہے۔ (ترمذی' ابوداؤد)

(2/5287) عبداللہ بن حارث بن جز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم 1 مسجد میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمائے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھے اور ہم نے 2 اپنے ہاتھوں کو کنکریوں سے پونچھنے سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔

(3/5288) ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا' کیا ہم آپ کے لئے وضو کا پانی نہ لائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو وضو کا حکم دیا گیا

کنکریوں سے پونچھنے سے زیادہ نہیں کیا) صاحب مرقات نے کہا شارحین حدیث میں سے ہمارے بعض علماء نے کہا ہے کہ کھانے کے وقت اور کھانے سے فارغ ہونے کے وقت وضو کرنا ایسے کھانے میں مستحب ہے جس سے ہاتھ ملوث ہوتا ہے۔ اور اس سے چکناہٹ پیدا ہوتی ہے۔

1 قولہ سم اللہ (اللہ کا نام لو) الخ جمہور علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس حدیث شریف میں تینوں احکام استحبابی ہیں اور بعض علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم وجوب کے لئے ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کھانے کے شروع میں تسمیہ کا مستحب ہونا متفق علیہ ہے اسی طرح کھانے کے آخر میں اللہ تعالٰی کی حمد

جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوں۔ (ترمذی' ابوداؤ' نسائی) (ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ

بیان کرنا مستحب ہے۔

علماء نے کہا: تسمیہ بالجہر مستحب ہے تاکہ دوسرے کو تنبیہ ہو اور اگر اس نے عمداً یا بھول کر یا ناواقفیت سے یا زبردستی یا کسی عارض کی وجہ سے عاجز ہو کر تسمیہ ترک کردے پھر کھانے کے دوران قدرت پالے تو اس کے لئے بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ (کھانے والے کیلئے) بسم اللہ کہنے سے تسمیہ حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کہے تو اچھا ہے۔ کھانے والوں میں سے ہر ایک تسمیہ پڑھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی بسم اللہ پڑھ لیا تو تسمیہ حاصل ہو جائے گا۔

پانی' دودھ' شہد' شوربہ، دواء اور تمام مشروبات کے پیتے وقت اسی طرح بسم اللہ کہنا ہے جس طرح کھانے پر کہنا ہے۔ (ماخوذ از مرقات' عمدۃ القاری)

صاحب درمختار اور ردالمحتار نے کہا کہ کھانے کی سنت ابتداء میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ کہنا ہے۔ اگر (ابتداء میں) بسم اللہ کہنا بھول جائے تو " بسم اللہ علی اولہ واخرہ" کہے۔ (الاختیار)

جب تم بسم اللہ کہو تو اپنی آواز کو بلند کرو تاکہ تم اپنے ساتھ والوں کو تلقین کرسکو اور حمد میں آواز کو بلند نہ کیا جائے مگر یہ کہ وہ کھانے سے فارغ ہو جائیں۔ (تاتارخانیہ)

کھانے پر بسم اللہ اس وقت کہا جائے گا جبکہ کھانا حلال اور آخر میں حمد بیان کرے چاہے کھانا کیسا بھی ہو۔ (قنیہ)

2 قولہ کل بیمینک (اپنے سیدھے ہاتھ سے کھاؤ): صاحب عمدۃ القاری نے کہا: ہمارے شیخ زین امام غزالی اور امام نووی نے اسی کی صراحت کی ہے۔ اور امام شافعی نے کتاب الام میں اس کے واجب ہونے کو بیان کیا۔

تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے)

(4/5289) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی رات میں سوئے اور اس کے ہاتھ میں چکناہٹ ہو اور اسے نہ دھوئے اور اس کو کوئی چیز پہنچ جائے تو وہ صرف اپنے آپ پر ملامت کرے۔ (ترمذی'

قرطبی کا خیال ہے کہ سیدھے ہاتھ سے کھانا استحباب پر محمول ہے۔ اس لئے کہ یہ حکم سیدھے ہاتھ کی بزرگی کو ظاہر لدین نے کہا سامنے سے کھانے اور سیدھے کھانے کے حکم کو ہمارے اکثر اصحاب نے استحباب پر محمول کیا ہے۔

اما کرنے کے باب سے ہے۔ اور اس لئے کہ سیدھا ہاتھ کاموں میں زیادہ قوت اور سبقت والا اور زیادہ قدرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ یمن اور برکت سے مشتق ہے۔

ابوداود کی حدیث میں اپنے سیدھے ہاتھ کو اپنے کھانے اور پینے کے لئے رکھے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اس کے ماسوا چیزوں کیلئے۔ اور اگر بائیں ہاتھ سے مدد لینے کی ضرورت لاحق ہو تو یہ ایک ضمنی حکم کے طور پر ہے۔

3 قولہ: کل ممایلیک (اپنے سامنے سے کھاؤ): صاحب عمدۃ القاری نے کہا اور قرطبی نے ذکر کیا کہ کھانے والے کا اپنے سامنے سے کھانا متفق علیہ سنت ہے اور اس کے خلاف کرنا مکروہ اور نہایت برا سمجھا گیا ہے جبکہ کھانا ایک قسم کا ہو۔

اور صاحب ردالمختار نے کہا کہ برتن کے درمیان سے نہ کھانا سنت ہے کیونکہ برکت برتن کے درمیان نازل ہوتی ہے اور ایک ہی جگہ سے کھائے کیونکہ وہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے۔ برخلاف ایسی طبق کے جس میں مختلف قسم کے پھل ہوتے ہوں تو جہاں سے چاہے کھا سکتا ہے کیونکہ وہ مختلف اقسام ہیں۔

ابوداؤد،ابن ماجہ)

(5/5290) عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں بچہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی پرورش میں تھا اور میرا ہاتھ برتن میں گھوم رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے مجھ سے فرمایا : اللہ 1 کا نام لو اور اپنے سیدھے 2 ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے 3 سے کھاؤ۔ (بخاری،مسلم)

(6/5291) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس کھانے کو حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ تعالی کا نام نہیں لیا جاتا۔(مسلم)

(7/5292) اور انہی سے روایت ہے انہوں نے کہا: جب ہم کسی کھانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہتے تو اپنے ہاتھوں کو نہیں ڈالتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع فرمائیں اور اپنے دست مبارک کو رکھیں ۔ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک کھانے میں شریک ہوئے کہ ایک باندی آئی گویا کہ اس کو ڈھکیلا جارہا تھا اور وہ کھانے میں اپنا ہاتھ رکھنے کے لئے گئی تو رسول اللہ صلی

---

1 قولہ: ان الشیطان یستحل الطعام........ الخ (شیطان کھانے کو حلال کرلیتا ہے) امام نووی نے کہا: درست بات وہی ہے جس پر محدثین فقہاء اور متکلمین میں سے جمہور علماء متقدمین ومتاخرین متفق ہیں کہ یہ حدیث اور اس جیسی احادیث جو شیطان کے کھانے سے متعلق وارد ہوئی ہیں اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور یہ کہ شیطان حقیقت میں کھاتا ہے جبکہ عقل اسکو محال قرار نہیں دیتی ہے اور شریعت بھی اس کا انکار نہیں کرتی بلکہ اسکو ثابت کرتی ہے۔پس اس کو قبول کرنا اور اس کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔

اللہ علیہ وآلہ سلم نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا پھر ایک اعرابی آئے گویا کہ انکو ڈھکیلا جارہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے ان کے ہاتھ کو پکڑ لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا: کہ شیطان کھانے کو حلال کر لیتا 1 ہے جب اس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور بلاشبہ اس نے اس باندی کو لایا تاکہ اس کے ذریعہ حلال کرے لیکن میں نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا پھر اس نے اس اعرابی کو لایا تاکہ اس کے ذریعہ حلال کرے تو میں نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔یقیناً اس کا ہاتھ اس باندی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔(8/5293) ایک روایت میں انہوں نے یہ اضافہ کیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور تناول فرمایا۔(مسلم)

(9/5294) ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا' ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے پاس تھے تو کھانا قریب کیا گیا پس شروع ہم نے جو کھایا اس سے بڑھ کر برکت والا کوئی کھانا میں نے نہیں دیکھا اور نہ اس کے آخر میں کم برکت والا کوئی کھانا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم یہ کیسے ہوا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا جس وقت ہم نے کھانا کھایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لئے پھر ایسا شخص بیٹھا جس نے کھایا اور اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا پس اس کے ساتھ شیطان کھایا۔(شرح السنہ)

---

1 قولہ: فنسی ان یذکر اللہ علی طعامہ........الخ (اپنے کھانے پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھول جائے) اس میں اس بات کی خبر دینا کہ کھانے کے شروع میں مطلق اللہ تعالیٰ کا ذکر کافی ہے لیکن بسملہ (بسم اللہ پڑھنا) افضل ہے۔

محیط میں ہے اگر کوئی وضو کے شروع میں لاالہ الا اللہ ''یا'' الحمدللہ ''یا'' اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو وہ سنت کو قائم کرنے والا ہوگا اسی طرح کا حکم کھانے کے شروع

(12/5295) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا اور اپنے داخل ہوتے وقت اور کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے تو شیطان کہتا ہے: تمہارے لئے نہ رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ رات کا کھانا ہے اور جب وہ داخل ہوا اپنے داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تم نے رات گزارنے کی جگہ پالی ہے اور اپنے کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو وہ کہتا ہے کہ تم نے رات گزارنے کی جگہ اور رات کا کھانا پالیا۔ (مسلم)

(13/5296) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھائے اور اپنے کھانے پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھول جائے 1 تو اس کو بسم اللہ اولہ و آخرہ کہنا چاہئے۔

(14/5297) امیہ بن مخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ایک آدمی کھا رہا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا یہاں تک کہ اس کے کھانے کا صرف ایک ہی

میں کہنے کا ہے کیونکہ تسمیہ وضو کے شروع میں زیادہ موکد ہے۔

اور ابن ہمام نے کہا کہ کوئی تسمیہ بھول جائے اور وضو کے دوران یاد آئے تو بسم اللہ پڑھے تو سنت حاصل نہیں ہوگی برخلاف کھانے کے (الغایہ)۔ انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی کہ وضو ایک ہی عمل ہے برخلاف کھانے کے۔ اور وہ (بسم اللہ پڑھنا) ماباقی کھانے میں بھی حصول سنت کا موجب ہے۔ فوت شدہ چیز کا تدارک نہیں (مرقات)

1 قولہ: فلماذکر اسم اللہ...... الخ (جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا) کھانے پر تسمیہ سے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے، امام احمد کے اصحاب وجوب کے قائل ہیں اور جمہور علماء اس کے مسنون ہونے پر متفق ہیں (بذل المجہود)۔

لقمہ باقی رہ گیا جب اس نے اس لقمہ کو اپنے منہ کی طرف اٹھایا تو بسم اللہ اولہ و آخرہ کہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے مسکرایا پھر ارشاد فرمایا شیطان اس کے ساتھ مسلسل کھا رہا تھا جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا 1 تو جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا قئی کر دیا۔ (ابوداؤد)

(13/5298) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز نہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ پیئے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اس سے پیتا ہے۔ (مسلم)

(14/5299) انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے سیدھے ہاتھ سے کھائے اور جب پیئے تو اپنے سیدھے ہاتھ سے پیئے (مسلم)

امام محمد نے موطا میں کہا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ کسی کیلئے اپنے بائیں ہاتھ سے

---

1 قولہ: یا کل بثلاثۃ اصابع ویلعق یدہ الخ (تین انگلیوں سے کھایا کرتے اور اپنے ہاتھ کو چاٹا کرتے تھے) اس باب میں متعدد نوعیت سے کلام ہے) پہلی یہ کہ ہاتھ کی پاکی کو برقرار رکھنے کے لئے اور تکبر کو دور کرنے کے لئے چاٹنا مستحب ہے اور جمہور علماء کے پاس اس میں امر استحباب اور ارشاد پر محمول ہے اور اصحاب ظواہر نے اس کو وجوب پر محمول کیا ہے۔ خطابی نے کہا: ایک قوم انگلیوں کے چاٹنے کو معیوب سمجھتی ہے کیونکہ عیش پسندی نے ان کی عقلوں کو بگاڑ دیا ہے اور شکم سیری اور بدہضمی نے ان کی طبعیتوں کو بدل دیا ہے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ انگلیوں کو چاٹنا برا ہے یا مکروہ ہے کیا انہوں نے نہیں جانا کہ جو چیز اس کے انگلیوں پر ہے وہ اسی کا ایک حصہ ہے جو اس نے کھایا ہے۔ پس اس سے وہی آدمی دور رہتا ہے جو (متکبر اور تارک السنّت عشرت پسند ہوتا ہے)

کھانا اور اس سے پینا مناسب نہیں ہے سوائے کسی عذر کی وجہ سے۔

(15/5300) کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم تین انگلیوں سے کھایا کرتے 1 اور اپنے ہاتھ کو پوچھنے سے پہلے چاٹا کرتے تھے۔ (مسلم)

(16/5301) ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے ہاتھ کو نہ پونچھے یہاں تک کہ وہ خود اس کو چاٹ لے یا کوئی اور اس کو چاٹ لے۔ (متفق علیہ)

(17/5302) جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے انگلیوں اور برتن کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس میں برکت ہے۔ (مسلم)

(18/5303) نبیشہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں: کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی پیالے میں کھائے اور اس کو چاٹ لے تو پیالہ اس کے لئے

دوسری یہ کہ انگلیوں کو چاٹنے میں منجملہ حکمت وہ بات ہے جو امام ترمذی کی تخریج کردہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں مذکور ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے انگلیوں کو چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہے۔ امام مسلم وغیرہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے یعنی یہ حدیث اس چیز کے متعلق ہے جو اس نے کھایا ہے اور جو اس کے انگلیوں پر باقی رہ گیا ہے اور جو اس کے برتن میں باقی رہ گیا ہے، اس کو چاہئے کہ حصول برکت کی امید میں اپنے ہاتھ کو چاٹ لے اور برتن کو پونچھ لے اور برکت سے مراد واللہ اعلم وہ چیز ہے جس سے غذا حاصل ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ تکلیف سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالی کی اطاعت وغیرہ پر تقویت دینے والی ہوتی ہے۔

امام نووی نے کہا کہ اصل برکت زیادتی اور خیر کا ثبوت ہے۔

استغفار کرتا ہے۔ (احمد ترمذی ابن ماجہ دارمی)

(19/5304) اور انہی سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی پیالے میں کھائے پھر اس کو چاٹ لے تو پیالہ اس کے لئے کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے آزاد کرے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے آزاد کیا۔ (رزین)

(20/5305) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں

تیسری یہ کہ انگلیوں کو چاٹنے میں مناسب ہے کہ وہ بیچ کی انگلی سے ابتداء کرے پھر شہادت کی انگلی پھر انگوٹھا جیسا کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا جس کو طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ چوتھی یہ کہ تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے اور اور اگر وہ پانچ انگلیوں سے کھائے تو کوئی مانع نہیں لیکن وہ سنت کا ترک کرنے والا ہوگا سوائے ضرورت کے وقت کے برتن کو چاٹنے کا مستحب ہونا بھی وارد ہوا ہے۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی بناء پر جس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص برتن کو اور اپنی انگلیوں کو چاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو دنیا و آخرت میں شکم سیر کرتا ہے۔ امام ترمذی نے پیالہ کا استغفار کرنا بھی روایت کیا ہے۔ پانچویں یہ کہ برتن کو چاٹنے کا مستحب ہونا بھی وارد ہوا ہے عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی بناء پر جس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص برتن کو اور اپنی انگلیوں کو چاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں شکم سیر کردیتا ہے۔ امام ترمذی نے پیالہ کا استغفار کرنا بھی روایت کیا ہے۔ چھٹی یہ کہ پیالے کے استغفار کرنے سے کیا مراد ہے؟ احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں تمیز یا گویائی پیدا کرے جس سے وہ مغفرت طلب کرے گا۔ اور بعض احادیث میں یہ بھی وارد

کہ ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اس کے اطراف سے کھاؤ۔ اور اس کے درمیان نہ کھاؤ کیوں کہ برکت اس کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔ (ترمذی' ابن ماجہ' دارمی)

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے (21/5306) اور ابوداود کی روایت میں ہے جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو برتن کے اوپر کے حصہ سے نہ کھائے بلکہ اس کے نیچے کے حصہ سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر کے حصہ سے نازل ہوتی ہے۔

(22/5307) عکراش بن ذؤیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہمارے پاس بہت ثرید اور گوشت والا ایک بڑا پیالہ لایا گیا تو میں نے اپنے ہاتھ کو اس

ہوا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے "اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے بچائے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے بچایا" اور اس کے حقیقی معنی میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ مجازاً ہو اور اس سے کنایہ کیا گیا ہو۔ (ماخوذ از عمدۃ القاری)

1 قولہ: کل من حیث شئت (جہاں سے چاہتے ہو کھاؤ): ابن ملک نے کہا: اس میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ میوہ اگر ایک قسم کا ہو تو کھانے کی طرح اپنے ہاتھ کو اس میں گھمانا جائز نہیں ہے اور اس بات کا آگاہ کرنا ہے کہ اگر کھانا مختلف قسم کا ہو تو ہاتھ گھمانا جائز ہے اور وہ جس قسم (کے کھانے) چاہے کھائے۔ (مرقات)

2 قولہ: ھذا الوضوء .... الخ (یہ وضو ہے): وضو سے وضو عرفی مراد ہے یعنی دونوں ہاتھوں کو دھونا اس چیز کی وجہ سے جس کو آپ نے متغیر کر دیا ہے۔ یعنی اس کھانے کی وجہ سے جس کو آپ سے پکایا گیا ہو اب رہا وضوء شرعی تو وہ ابتداء اسلام میں تھا پھر اس جیسی احادیث سے منسوخ ہو گیا۔ (مرقات' الکوکب الدری)

کے اطراف میں گھمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے سامنے سے تناول فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرے سیدھے ہاتھ کو پکڑ لیا اور پھر فرمایا: اے عکراش: ایک جگہ سے کھاؤ کیونکہ وہ ایک قسم کا کھانا ہے پھر ہمارے پاس ایک طبق لایا گیا جس میں اقسام کے کھجور تھے پس میں اپنے سامنے سے کھانے لگا اور رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک طبق میں گھومنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عکراش جہاں سے چاہے کھاؤ 1 کیونکہ وہ ایک قسم کے نہیں ہیں پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور اپنے ہتھیلیوں کی تری سے اپنے چہرہ کا اپنے دونوں ہاتھوں کا اور اپنے سر کا مسح کیا اور فرمایا اے عکراش: یہ وضو 2 ہے ان چیزوں سے جس کو آپ نے متغیر کیا ہے۔ (ترمذی)

(23/5308) امام بخاری نے جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایسی چیز سے وضو کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کو آگ نے چھویا ہے تو انہوں نے کہا ہم

---

1 قوله: فاذا سقطت من احد كم اللقمة .... الخ (پس تم میں سے کسی سے کوئی لقمہ گر جائے) صاحب ردالمختار نے کہا کہ ہاتھ سے گرا ہوا لقمہ نہ چھوڑنا مسنون ہے کیونکہ چھوڑنا اسراف ہے بلکہ مناسب ہے کہ اسی کو لے۔

2 قوله: لا آكل متكئا .... الخ (میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا ہوں) صاحب عمدۃ القاری نے کہا: ہمارے شیخ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امام ترمذی نے ٹیک لگا کر کھانے کی احادیث کو کراہت پر محمول کیا ہے جیسا کہ انہوں نے اس باب پر قائم کیا ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ایک سے زائد صحابہ و تابعین نے ٹیک لگا کر کھایا ہے۔ (منصف ابن ابی شیبہ)

پھر انہوں نے کہا کھانے کی حالت میں ٹیک لگانے کی مراد سے متعلق اختلاف

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایسی حالت میں تھے کہ اس جیسے کھانے کم ہی پاتے تھے جب ہم اس کو پاتے تو ہمارے پاس دستیاں نہیں ہوتی تھیں سوائے ہمارے ہتھیلیوں' کلائیوں اور قدموں کے پھر ہم نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔

کیا گیا ہے پس کہا گیا ہے کہ اس سے مراد چار زانو بیٹھنے والا ہے۔ کھانے کیلئے تیار ہونے والے کی طرح ہے ان کا کلام ختم ہوا۔ اور تلویح میں ہے یہاں پر ٹیک لگانے والے سے مراد وہ شخص ہے جو گدی پر جو اس کے نیچے ہے جم کر بیٹھنے والا ہے اور ہر وہ شخص جو گدی پر برابر بیٹھ جائے وہی ٹیک لگانے والا ہے گویا کہ اس نے اپنی مقعد کو باندھ دیا ہے اور اس کے نیچے گدی پر بیٹھ کر اس کو بند کر لیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ٹیک لگانے سے مراد اپنے دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پر ٹیک لگانے والا ہے اور وہ متکبرین کا عمل ہے۔ خطابی نے کہا عوام الناس کے مطابق ٹیکہ لگانے والا وہ شخص ہے جو اپنے دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو۔ اور یہ اس طرح نہیں ہے بلکہ ٹیکہ لگانے والا یہاں وہ شخص ہے جو اپنے نیچے کی گدی پر جم کر بیٹھنے والا ہو اور ہر وہ شخص جو اپنی گدی پر سیدھے بیٹھ جائے پس وہی ٹیکہ لگانے والا ہے۔ یعنی جب میں کھاتا ہوں تو گدی پر زیادہ کھانے والے کی طرح جم کر نہیں بیٹھتا ہوں بلکہ میں تھوڑا کھانا کھاتا ہوں، پس میرا بیٹھنا اس کے لئے جم کر نہیں ہوتا ہے۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں اب رہا میں تو (ٹیکہ) لگا کر نہیں کھاتا ہوں۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ ٹیکہ لگا کر کھانے کو ترک کرنا آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہیں۔ تحقیق کے ابوالعباس بن العاص نے اسکو آپ ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ طبرانی نے اوسط میں ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹیکہ لگا کر مت کھاؤ۔ اس کی سند کے رجال

(24/5309) اور انہی سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس اس کے کام کی ہر چیز کے وقت آتا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس اس کے کھانے کے وقت آتا ہے پس تم میں 1 سے کسی سے کوئی لقمہ گر جائے تو چاہئے کہ اس کو جو تکلیف دہ چیز لگی ہو وہ نکال دے پھر اس کو کھالے اور اسکو شیطان کیلئے نہ چھوڑے۔ پس جب وہ فارغ ہو جائے تو اپنی انگلیوں کو چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کس کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ (مسلم)

(25/5310) ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا 2 ہوں (بخاری)

(26/5311) ابوداود کی ایک روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

ثقہ ہیں۔ بیہقی نے کہا، یقیناً اس کو اس لئے بھی ناپسند کیا گیا ہے کہ یہ متکبرین کا عمل ہے اور یہ عجم کے بادشاہوں سے لیا گیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس، خالد بن ولید عبیدہ سلمانی، محمد بن سیرین، عطاء بن یسار زہری رحمہم اللہ سے اس کے مطلقاً جائز ہونے کی تخریج کی ہے۔ جب اس کا مکروہ ہونا یا خلاف اولی ہونا ثابت ہو جائے تو کھانے والے کے لئے بیٹھنے کے طریقے کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ اپنے دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کے پشت کے بل بیٹھے یا اپنے سیدھے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پیر پر بیٹھے (عمدۃ القاری کا کلام ختم ہوا) اس لئے میں کہتا ہوں کہ عالمگیری میں ہے ٹیک لگا کر اپنے بائیں ہاتھ کو زمین پر رکھ کر یا سہارا لگا کر کھانا اور پینا مکروہ ہے (فتاوی عتابیہ) صاحب ردالمحتار نے کہا ٹیک لے کر یا کھلے سر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور عالمگیری میں یہ بھی ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو اور ظہیریہ میں ہے یہی قول مختار ہے۔ (جواہر الاخلاطی)

1 **قولہ: ما اکل النبی ﷺ علی خوان** (نبی کریم ﷺ نے چوکی پر نہیں کھایا)۔

مروی ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو کبھی ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے پیچھے دو آدمی نہیں چلتے تھے۔

عمدۃ القاری میں ہے قوم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ خوان کی ہیئت کی مکمل صراحت نہیں ہے اور وہ تانبہ کا ایک بڑا طبق ہے جس کے نیچے تانبے کی اس کے ساتھ لگی ہوئی کرسی ہوتی ہے جس کی لمبائی ایک ذراع کے مقدار ہوتی ہے جس میں خوشبو ڈالی جاتی تھی اور عیش پسند لوگوں میں سے کسی بڑے کے سامنے رکھا جاتا ہے اور جس کو دو یا دو سے زائد افراد ہی اٹھاتے ہیں۔

تورپشتی نے کہا لفظ خوان معرب ہے جس پر کھایا جاتا ہے اور اس پر کھانا ہمیشہ خوشحال زندگی والوں کی عادت اور متکبرین کا عمل رہا ہے تاکہ ان کو کھاتے وقت جھکنے کی ضرورت نہ ہو۔ (انتہی)

صاحب مرقات نے کہا نہایہ میں ہے: سفرہ وہ کھانا ہے جس کو مسافر تیار کرتا ہے اور اکثر اس کو گول چمڑے میں اٹھایا جاتا ہے پس کھانے کا نام اس چمڑے کو دیا گیا اور اس سے موسوم کردیا گیا جیسا کہ پکھال کو روایہ نام دیا گیا اور اس کے سوا بہت سے اسماء منقولہ ہیں پھر وہ ایسی چیز کے لئے مشہور ہوگیا جس پر کھانا رکھا جاتا ہے چمڑا ہو یا اس کے علاوہ سوائے مائدہ اس چیز کی وجہ سے جو گزر گیا ہے کہ وہ عام طور پر متکبرین کی علامت ہے پس سفرہ پر کھانا سنت ہے اور خوان (چوکی) پر کھانا بدعت ہے لیکن وہ جائز ہے۔

الکوکب الدری میں ہے چوکی پر کھانا یا تو عمداً ہوگا یا اتفاقاً۔ اگر پہلا ہو تو اس کی کراہت لازم ہے اگر دوسرا ہو تو چوکی پر کھانے میں کوئی حرج نہیں مگر یہ کہ وہ متکبرین کی عادت سے ہونے کی بناء پر ممنوع ہوگا جبکہ وہ ان کی عادت ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چوکی پر کھانا حقیقت میں ترک اولی سے زائد نہیں ہوگا۔ اب رہا جب اس سے یہود و نصاری سے تشبہ لازم ہوتا ہو جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے تو وہ مکروہ

(26/5311) ابن ابی شیبہ نے ابن عباس، خالد بن ولید' عبیدہ سلمانی' محمد بن سیرین' عطاء بن یسار زہری رحمتہ اللہ علیہ سے اس کا مطلق جائزہ ہونا روایت کیا ہے۔ اسی لئے عالمگیری میں ہے ٹیک لگا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو۔ ظہیر یہ میں ہے کہ یہی قول مختار ہے اسی طرح جواہر الاخلاطی میں ہے۔

(27/5312) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتوں کو نکال دو کیونکہ وہ تمہارے قدموں کے لئے زیادہ آرام دہ ہے (دارمی)

تحریمی ہے۔ اب رہا جب وہ ان کی عادت نہ ہو تو بھی چند فوائد کے چھوٹ جانے سے خالی نہیں ہے کیونکہ جب کھانا بلند مقام پر ہوگا تو وہ اس کے کھانے میں جھکنے پر مجبور ہوگا تو اس سے پیٹ کی گنجائش کم ہوگی اور وہ تھوڑے سے کھانے پر اکتفا کرے گا۔ اور یہ کہ اس ہیئت پر بیٹھنے سے عاجزی انکساری آتی ہے برخلاف اس کے۔ اسی طرح چھوٹی پیالی کا حکم ہے۔ اور وہ سکوری سے معرب ہے اور وہ اس سے معرب نہ ہو تو بھی اسی کے معنی میں ہے اور وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک (قسم کے) کھانے پر اکتفاء کرنے کی بناء پر ہے کیونکہ وہ کم کھانے کا سبب ہے۔ اور قسم قسم (کا کھانا) کثرت طعام کا موجب ہوتا ہے اور میدہ کی روٹی کا حکم اسی قیاس پر ہے۔ کیونکہ وہ مترفہ الحال آسودہ زندگی والوں کی عادت ہونے کے ساتھ کھانے والے کے لئے زیادے کھانے کا سبب بنتا ہے علاوہ ازیں گیہوں کی کمی کے باوجود ان کے پاس چھلنیاں نہیں تھے جس سے آٹا چھانا جاتا اور اس وقت عموماً ان کا کھانا جو ہی تھا۔

1 قولہ: ما اعلم النبی ﷺ رأی رغیفاً مرققا (میں نہیں جانتا کہ نبی اکرم ﷺ

(29/5314) قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: نبی اکرم ﷺ نے چوکی پر نہیں کھایا 1 اور نہ چھوٹی پیالی میں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے میدہ کی روٹی بنائی گئی۔قتادہ سے کہا گیا کس چیز پر وہ کھاتے تھے۔انہوں نے کہا دستر خوانوں پر۔(بخاری)

(30/5315) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نہیں جانتا 1 کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں آنکھوں سے کبھی میدہ کی چپاتی دیکھی ہو یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور نہ بھونی ہوئی بکری کو۔(بخاری)

(31/5316) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدہ کو نہیں دیکھا جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔اور انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھلنی نہیں دیکھی جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔کہا گیا: آپ لوگ بغیر چھانا ہوا جو کیسے کھاتے تھے انہوں نے کہا ہم اس کو پیستے تھے اور اس کو پھونکتے تھے پس جو اڑا وہ اڑ جاتا اور جو باقی رہا اسکو تر کرتے اور کھاتے ۔(بخاری)

نے اپنی دونوں آنکھوں سے میدہ کی چپاتی دیکھی ہو) ابن بطال نے کہا میدہ کی چپاتی کھانا جائز ہے مباح ہے اور ہمارے آقا رسول اکرم ﷺ نے اس کو صرف دنیا سے بے رغبتی اور عیش وعشرت کے ترک کرنے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کو ترجیح دینے وغیرہ کے لئے چھوڑا ہے۔(عمدۃ القاری) اور عالمگیری میں ہے فالودہ اور اقسام کے لذیذ کھانے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح ظہیریہ میں ہے اور اقسام کے میوہ جات سے لذت پانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔البتہ اس کو ترک کرنا افضل ہے۔(خزانۃ المفتین)

(32/5317) ام المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم پر ایسا مہینہ آتا جس میں ہم لوگ آگ نہیں سلگاتے صرف کھجور اور پانی ہوتا اور تھوڑا سا کچھ گوشت لایا جاتا۔ (بخاری، مسلم)

(33/5318) اور انہی سے روایت ہے انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل گیہوں کی روٹی سے دو دن شکم سیر نہیں ہوئی مگر ان کا ایک دن کھجور ہوتا۔ (بخاری، مسلم)

(34/5319) اور انہی سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پائے اور ہم دو کالی چیزوں سے شکم سیر نہیں ہوئے۔ (بخاری، مسلم)

(35/5320) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: کیا تم ایسے کھانے اور پینے میں نہیں ہو جو تم نے چاہا ہے؟ یقیناً میں نے تمہارے نبی کریم

---

1. قولہ: نهى رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم ان يقرن بين التمرتين .... الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو کھجوروں کو جمع کرنے سے منع فرمایا) ہمارے بعض علماء نے کہا یہ اس وقت ہے جب کوئی ان کی ضیافت کرے اور اپنے کھانے کو ملالیں اور وہ ایک ساتھ کھائیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ نے کہا جائز ہے البتہ آدمی کا اپنے ساتھی کے لقمہ سے بڑا لقمہ لینے کا ارادہ جائز نہیں ہے۔ بلا ارادہ اتفاقاً کسی کا کھانا زیادہ ہو جائے تو جائز ہے۔ (مرقات)

عالمگیری میں ہے مسافرین جب اپنے توشے ملا دیں یا ان میں سے ہر ایک ساتھیوں کی تعداد کے مطابق ایک درہم نکالے اور اس سے کھانا خریدے اور کھائے تو جائز ہے اگر چیکہ وہ کھانے میں مختلف ہو (خوراک کم زیادہ ہو) (الوجیز للکردری) لیکن کھانے میں ادب کا ملحوظ رکھنا اور حرص چھوڑنا مطلق ادب ہے مگر یہ کہ وہ جلدی میں ہو۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ان کے پاس ردی کھجور بھی نہیں پائے جاتے' جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا شکم بھر سکیں۔ (مسلم)

(36/5321) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکڑ بیٹھ کر کھجور کھاتے ہوئے دیکھا۔ (37/5322) اور ایک روایت میں اس کو جلدی کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

(37/5323) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو کھجوروں کو جمع کرنے سے منع فرمایا 1 یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے لے۔ (بخاری ومسلم)

(39/5324) اس کا سبب یہ ہے کہ وہ تنگ زندگی میں تھے پھر کشادگی حاصل ہونے کی وجہ سے وہ منسوخ ہوگیا۔ کیونکہ بزار نے اور طبرانی نے الاوسط میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا میں تمکو کھجور

---

1 قولہ: لایجوع اهل بیت عندهم التمر (وہ گھر والے بھوکے نہیں ہیں جن کے پاس کھجور ہوں) امام نووی نے کہا کہ اس میں کھجور کی فضیلت ہے اور اہل خانہ کیلئے ذخیرہ اندوزی کا جائز ہونا اور اس پر ابھارنا ہے۔ (مرقات)

2 قولہ: من تصبح بسبع تمرات عجوة الخ (جو سات کھجور نہار پیٹ کھائے) مام نووی نے کہا اس میں مدینہ اور مدینہ کے عجوہ کھجور کی فضیلت ہے اور اس کے سات کھجور نہار پیٹ کھانے کی فضیلت ہے مدینہ کے عجوہ کھجور سات عدد کی تخصیص یہ ان امور میں سے ہے جس کو شارع جانتے ہیں اور ہم اس کی فضیلت نہیں جانتے۔ پس اس پر ایمان لانا اور اس کی فضیلت اور اس میں حکمت کا اعتقاد رکھنا واجب ہے اور یہ نماز کی تعداد اور زکواۃ کے نصاب کی طرح ہے۔ (مرقات)

ملا کر کھانے سے منع کیا تھا پس اللہ تعالیٰ نے تم پر کشادگی فرمائی پس تم ملا سکتے۔

(40/5325) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ گھر والے بھوکے 1 نہیں ہے جن کے پاس کھجور ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ جس گھر میں کھجور نہ ہو اس کے گھر والے بھوکے ہیں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ (مسلم)

(41/5326) سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو سات عجوہ کھجور نہار پیٹ کھائے 2 اس کو اس دن نہ کوئی زہر نقصان دے گا اور نہ کوئی جادو۔ (بخاری، مسلم)

(42/5327) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عجوہ کھجور جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفاء ہے اور مشروم منّ سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کیلئے شفاء ہے۔

(43/5328) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً عوالی مدینہ کے عجوہ کھجور میں شفاء ہے اور وہ صبح کے اول

---

1 قولہ: ایت الحارث بن کلدۃ (حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ) اس میں طب سے متعلق کفار سے مشورہ کرنے کا جواز ہے کیونکہ وہ ابتداء اسلام میں انتقال کیا اور اس کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں ہے۔

2 قولہ: یاکل الرطب بالقثاء (تازہ کھجور ککڑی سے کھاتے ہوئے) امام نووی نے کہا: اس میں دو کھانوں کو یکساتھ کھانے اور کھانوں میں کشادگی کرنے کا جواز ہے۔ اور علماء کے مابین اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ (مرقات)

وقت تریاق ہے۔

(44/5329) سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں بہت بیمار ہوا میرے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو میرے دو چھاتیوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے دل میں پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً تم دل کی بیماری والے آدمی ہو۔تم ثقیف کے بھائی حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ 1 کیونکہ وہ علاج کرنے والا شخص ہے چاہئے کہ مدینہ کے سات عجوہ کھجور لیں اور اس کو اس کی گٹلیوں کے ساتھ کوٹیں پھر اس کو لیپ لیں۔ (ابوداؤد)

---

1 قولہ: وھذہ ادام ھذہ .... الخ (یہ اس کا سالن ہے) ادام (سالن) وہ ہے جس کے ملنے سے روٹی رنگدار ہوتی ہے جیسا کہ سرکہ اور تیل اور نمک اس کے منہ میں پگھلنے کی وجہ سے گوشت انڈہ، پنیر اور کھجور نہیں ہیں۔یہ تفصیل امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے پاس ہے اور امام محمد نے کہا: وہ چیز جو عموماً روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہے وہ ادام ہے اور یہ امام ابویوسف کی ایک روایت میں اور امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔

اور امام محمد کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب البحر میں تہذیب سے منقول ہے اور اسی کو فقیہ ابوالليث نے اختیار کیا۔انہوں نے کتاب ''الاختیار'' میں کہا: عرف پر عمل کرتے ہوئے یہی قول مختار ہے اور محیط میں ہے اور یہ صحیح ترین قول ہے۔کھجور کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دو صورتیں ہیں ایک صورت میں وہ ادام ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کو ٹکڑے پر رکھا اور فرمایا یہ اس کا سالن

ہے۔ (ابوداود) اور ایک دوسری صورت میں وہ ادام نہیں ہے کیونکہ وہ میوہ ہے جیسا کہ کشمش ہے اور محیط میں ہے امام محمد نے کہا کھجور اور اخروٹ ادام نہیں ہیں اسی طرح انگور، خربوزہ اور پیاز بھی۔ اسی طرح تمام میووں کا حکم ہے اور اگر کسی شہر میں کھجور اور اخروٹ روٹی کے ساتھ کھائے جائیں تو وہ عرف کی وجہ سے ادام ہوگا۔ اسی لئے تاج الشریعہ نے کہا، اب رہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس حدیث میں (کھجور کو) اس کا ادام فرمانا تو وہ شریعت کے نام دینے کی بناء پر ہے اور قسمیں اس سے متعلق نہیں ہوں گی۔ یہ درمختار، فتح القدیر اور بنایہ کا ماحصل ہے۔

مرقات میں ہے میرک نے کہا: یہ حدیث اس امام کے قول کو تقویت دیتی ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ کھجور ادام ہے جیسا کہ امام شافعی اور آپ سے موافقت کرنے والے کہتے ہیں اور یہ حدیث ان حضرات کے قول کو رد کرتی ہے جنہوں نے ادام سے رنگدار ہونے کی شرط لگائی ہے اور ان حضرات کے قول کو بھی جنہوں نے شرط نہیں لگائی لیکن ادام سے اس چیز کو خاص کر دیا جو عموماً تنہا کھائی جاتی ہے جیسا کہ کھجور ہے اور اسکو ادام میں شمار نہیں کیا۔

اور اس بات کا احتمال ہے کہ حدیث شریف میں کھجور پر سالن کا اطلاق مجازاً ہوا ہے یا سالن سے تشبیہ کے لئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال ہی متعین ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمانا تحصیل حاصل ہو جائے گا، اب رہا قسمیں اور قسموں کو توڑنا تو وہ عرف پر مبنی ہے جو زمان اور مکان کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر حدیث میں غذا کی تدبیر سے واقف کرانا ہے کیونکہ صحیح ترین قول کی بناء پر جو سرد اور خشک ہوتی ہے اور کھجور گرم اور تر ہوتا ہے اور اس میں قناعت اور رضاء (کی تعلیم) ہے جو پوشیدہ نہیں۔

(45/5330) عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تازہ کھجور ککڑی 2 سے کھاتے ہوئے دیکھا۔ (بخاری ومسلم)

(46/5331) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خربوزہ کو تازے کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ (ترمذی)

امام ابوداود نے اضافہ کیا اور آپ کہتے ہیں کہ اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(47/5332) بسیر کے دونوں سلمی صاحبزادوں سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے مسکہ اور کھجور پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکہ اور کھجور پسند فرماتے تھے۔ (ابوداود)

(48/5333) یوسف بن عبداللہ بن سلام سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر کھجور رکھا پھر ارشاد فرمایا یہ اس کا سالن ہے 1 اور تناول فرمایا۔ (ابوداود)

تاج الشریعہ نے کہا: اب رہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس حدیث میں (کھجور کو) اس کا سالن ماننا تو وہ شریعت کے نام دینے کی بناء پر ہے اور قسمیں اس سے متعلق نہیں

---

1 قولہ: ویخرج السوس منہ (اس سے کیڑے نکالنے لگے) شامی میں ہے ایسا مرق کھایا نہیں جائے گا جس میں کیڑے پھول گئے ہوں یعنی وہ مردہ ہوں اگرچیکہ وہ پاک ہیں میں کہتا ہوں اس سے میوؤں اور پھلوں میں کیڑوں کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

2 ان خیاطاً دعا النبی ﷺ الطعام الخ (ایک درزی نے نبی اکرم ﷺ کو کھانے کے لئے دعوت دی) حدیث شریف میں آدمی کا اپنے سے کم مرتبہ والے اہل حرفت وغیرہ کے پاس کھانے اور اس کا انکی دعوت کو قبول کرنے اور خادم کے ساتھ کھانے کا جواز ہے۔ اور نبی

ہوں گی۔

(49/5334) ام منذر رضی تعالیٰ اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ علی رضی اللہ تعالیٰ تھے اور ہمارے پاس لٹکے ہوئے کھجور کے گچے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تناول فرمانے لگے اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کھانے لگے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے علی رکو کیونکہ تم کمزور ہو انہوں نے کہا: میں ان کے لئے شلجم اور جو بنائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علی تم اس سے کھاؤ کیونکہ یہ تمہارے لئے زیادہ موافق ہے۔ (احمد' ترمذی' ابن ماجہ)

(50/5335) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پرانے کھجور لائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکو جانچنے لگے اور اس سے کیڑے 1 نکالنے لگے۔ (ابوداود)

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جو تواضع اور اپنے اصحاب کے ساتھ لطف وعنایت تھی اس کا بیان ہے اور یہ کہ کدو کی محبت مسنون ہے اسی طرح ہر اس شئے کا معاملہ ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پسند فرماتے تھے اور یہ کہ درزی کی کمائی کم درجہ کی نہیں ہے۔ شرح السنہ میں ہے اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کھانا مختلف ہو تو جو چیز قریب نہیں ہے اس کی طرف ہاتھ بڑھانا جائز ہے جبکہ وہ اپنے ساتھی سے اس کے ناپسند کرنے کو نہ جانے۔

1 فالقاھا والسکین التی یحتزبھا (تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اور چھری کو جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسکو کاٹ رہے تھے ڈال دیا) اس میں گوشت کو چھری سے کاٹنے کا جواز ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے اسی طرح ردالمحتار میں مجتبی سے منقول ہے۔

(51/5336) انہی سے روایت ہے کہ ایک درزی 2 نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی جو اس نے تیار کیا تھا پس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گیا تو انہوں نے جو کی روٹی اور مرق پیش کیا جس میں کدو اور گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیالے کے کناروں سے کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا اس دن سے میں کدو کو ہمیشہ پسند کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)

(52/5337) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کھانا روٹی کا ثرید اور حیس کا ثرید تھا۔ (ابوداود)

(53/5338) عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے دیکھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکری کے شانہ کو کاٹ رہے ہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کیلئے بلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو اور چھری کو[1] جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کاٹ رہے تھے ڈال دیا پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھے اور وضو نہیں فرمائے۔ (بخاری مسلم)

(54/5339) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک رات مہمان رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بازو کا حکم فرمایا تو اس کو بھونا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھری لی اور میرے لئے اس کو چھری سے کاٹنے لگے۔ حضرت بلال نماز کی اطلاع دینے کے لئے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھری کو ڈال دیا اور فرمایا اس کو کیا ہوا اس کے ہاتھ خاک آلود ہوں ان کی مونچھ بڑی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تمہارے لئے اس کو میں مسواک پر کاٹوں یا تم اسکو مسواک پر کاٹو۔ (ترمذی)

(55/5340) بخاری کی ایک روایت عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو باریک کرو امام طحاوی

نے کہا: مزنی اور ربیع مونچھ کو باریک کرتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول اس کے موافق ہے کہ باریک کرنا کم کرنے سے افضل ہے۔

اب رہا مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پس اس میں کسی چیز پر دلیل نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قینچی نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مونچھ باریک کرسکیں۔

(56/5341) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گوشت کو چھری سے مت کاٹو کیونکہ وہ عجمیوں کا عمل ہے اس کو دانت سے نوچو کیونکہ وہ زیادہ مزیدار اور خوشگوار ہوتا ہے (ابوداوُد شعب الایمان للبیھقی) اور مرقات میں ہے تم چھری سے کاٹنے کو عجمیوں کی طرح اپنا طریقہ اور عادت مت بنالو بلکہ جب وہ پکا ہوا ہو تو اس کو دانت سے نوچو اور اگر پکا ہوا نہ ہو تو اس کو چھری سے کاٹو۔

(57/5342) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دست کے حصہ کو بڑھایا اور وہ آپ کو پسند تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو دانت

---

1 نعم الادام ..... الخ (کتنا اچھا سالن ہے) خطابی نے کہا اس میں کھانے میں میانہ روی کی تعریف ہے اور نفس کو لذیذ کھانوں سے روکنے کی تعریف ہے۔ امام نووی نے کہا اس کے معنی میں ہر وہ چیز ہے جس کا خرچہ کم ہو اور اس کا وجود کمیاب نہ ہو۔

اور اس میں یہ ہے کہ جو کوئی قسم کھائے کہ سالن نہیں کھائے گا پھر وہ سرکہ سے کھالیا تو حانث ہوجائے گا اور یہ عرف کے فیصلے کی بناء ہمارے پاس اسی طرح سے ہے۔ (مرقات)

سے نوچا۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

(58/5343) انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھرچن پسند تھا۔ (ترمذی' شعب الایمان للبیھقی)

(59/5344) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میٹھے اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

(60/5345) انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے سالنوں کا سردار نمک ہے۔ (ابن ماجہ)

(61/5346) جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے سالن طلب فرمایا تو انہوں نے کہا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے

---

1 قولہ مااقفربیت من ادم فیہ خل (کوئی گھر جس میں سرکہ ہو وہ سالنوں سے خالی نہیں) جان لو کہ حدیث شریف میں روٹی اور سرکہ کو حقارت سے نہ دیکھنے پر ابھارنا ہے۔ اور ایسے شخص سے کھانا طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں جس سے سائل سچی محبت کی وجہ سے نہ شرماتا ہو اور جانتا ہو کہ وہ اس کو چاہتا ہے۔ (مرقات)

2 کلوا الزیت (زیتون کا تیل کھاؤ) یعنی روٹی کے ساتھ کھاؤ اور اسکو سالن بناؤ پس یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ زیتون کا تیل تو پتلی چیز ہے پس اس کو تناول کرنا کھانا نہیں کہلائے گا اور یہ حکم استحبابی ہے اس شخص کے لئے جو اس پر قادر ہو۔ (مرقات)

3 قولہ: أتی النبی ﷺ بجبنۃ الخ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پنیر لایا گیا) اس حدیث کو اس باب میں اس لئے لایا گیا کیونکہ پنیر کے بنانے میں نجاست کا احتمال تھا تو حدیث سے یہ بات ثابت کردی گئی کہ وہ پاک ہے اس کا کھانا جائز ہے اور اسکو چھری سے کاٹنا جائز ہے۔ (بذل المجھود)

سوائے سرکہ کے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسکو منگوایا اور اس سے کھانے لگے اور فرمانے لگے: سرکہ کتنا اچھا سالن 1 ہے سرکہ کتنا اچھا سالن ہے۔ (مسلم)

(63/5347) ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے میں نے کہا سوائے سوکھی روٹی اور سرکے کے کچھ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: لاؤ، کوئی گھر جس میں سرکہ ہو وہ سالنوں سے خالی نہیں 1 (ترمذی)

(64/5348) ابو اسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: زیتون کا تیل کھاؤ 2 اور اس کا تیل استعمال کرو۔ کیونکہ وہ مبارک درخت سے ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

(65/5349) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس تبوک میں پنیر لایا گیا 3 تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

---

1 قولہ: ماسکت عنه فهو مما عفی عنه (جس سے اس نے سکوت اختیار کیا پس وہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو معاف کیا گیا ہے) اس میں یہ کہ اشیاء میں اصل جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے پاس اباحت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے۔ اور وہ ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا اور کہا گیا کہ ہر چیز اس کے بندوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ اس کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور میں نے جنات اور انسان کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (ماخوذ از مرقات رد المحتار)

2 قولہ: ارفعه (اسکو اٹھالو) مولانا محمد یحیٰ مرحوم لکھتے ہیں کہ وہ ایک مسئلہ بیان کرنے کے لئے تھا اور وہ یہ کہ اس جیسی رغبت کا اظہار کرنا اس سوال میں داخل نہیں ہے جس سے منع

چھری منگوایا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور کاٹا۔ (ابوداود)

(65/5350) سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھی پنیر اور پوستین کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس سے اس نے سکوت اختیار کیا 1 وہ ان چیزوں سے ہے جس کو معاف کر دیا گیا۔ (ابن ماجہ ترمذی)

(66/5351) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے چاہا کہ میرے پاس گھی اور دودھ میں ملائی ہوئی گندمی گیہوں کی سفید روٹی ہو تو قوم میں سے ایک آدمی کھڑے ہوئے اور اس کو بنائے اور اسکو لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کس چیز میں تھا انہوں نے عرض کیا گھوڑ پوڑ کے کپی میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسکو اٹھالو 2 (ابوداود، ابن ماجہ)

(67/5352) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا دودھ اور شہد سے

کیا گیا ہے اور حدیث شریف گھوڑ پوڑ کے ناجائز ہونے کی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ اگر وہ حلال ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کھانے کو اٹھانے کا حکم نہیں فرماتے جو اس گھی میں ملا ہوا تھا جو گھوڑ پوڑ کے کپی میں تھا۔ (بذل المجہود)

1 قولہ: ماعاب النبی ﷺ طعاماً (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا) امام نووی نے کہا کہ کھانے کے آداب میں سے ہے کہ اسکو عیب نہ لگایا جائے جیسا کہ اس کا کھانا کھارا ہے، نمک کم ہے، کھٹا ہے، گاڑا ہے، پتلا ہے، پکا ہوا نہیں ہے اور اس جیسے۔ (عمدۃ القاری)

ملا ہوا حریرہ مریض کے دل کو راحت دینے والا ہے اور بعض رنج کو دور کرتا ہے (بخاری مسلم)

(68/5353) انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل خانہ کو بخار آتا تو آپ حساء (حریرہ) کا حکم فرماتے پس اس کو تیار کیا جاتا تو

---

1 قوله: ان المؤمن یاکل فی معیً واحد و الکافر یاکل فی سبعة امعاء (مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے) جان لو کہ کافر کو مومن کی نسبت کرتے ہوئے زیادہ آنت نہیں ہوتے اس لئے حدیث شریف کی تاویل کرنا ضروری ہے چنانچہ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کی طمع اور کھانے پر اس کی حرص کم ہوتی ہے اور اس کے کھانے اور پینے میں برکت ہوتی ہے پس وہ تھوڑے سے شکم سیر ہوجاتا ہے اور کافر کثیر طمع والا اور سخت حریف ہوتا ہے اس کے مطمح نظر چوپاؤں کی طرح صرف کھانا اور پینا ہوتا ہے۔

دونوں کے درمیان حرص میں جو تفاوت ہے اس کی مثال اس سے دی گئی ہے جو ایک آنت میں کھانے والے اور سات آنت میں کھانے والے کے درمیان ہوتا ہے اور یہ عمومیت اور اکثریت کے اعتبار سے ہے۔ امام نووی نے کہا کہ مومن کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اس لئے شیطان اس میں اس کا شریک نہیں ہوتا اور کافر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اس میں شریک ہوجاتا ہے۔ امام سیوطی نے اس کے معنی میں اس بات کو اختیار کیا کہ تسمیہ کی برکت سے مومن کے لئے اس کے کھانے میں برکت ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور کافر کے درمیان ایسی نسبت واقع ہوتی ہے جس طرح سات آنت میں کھانے والے کی ہوتی ہے۔

اور یہ معنی اس وقت ثابت ہوتے جب اس کا اندازتم ایک شخص میں یا بحیثیت وضع

آپ ان کو حکم دیتے تو وہ اسکو پی لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے غمگین کا دل راحت پاتا ہے اور بیمار کے دل سے دور کرتا ہے جس طرح کہ تم میں سے ایک اپنے چہرے سے میل کو پانی کے ذریعہ دور کرتی ہیں۔ اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

آپ جیسے افراد میں کریں تو کھانے میں اس ایک کافر کی حالت کو مومن کی حالت کے خلاف پاؤ گے اسی طرح کئی اشخاص میں تم پاؤ گے ورنہ مومنین میں ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جن کی کھانے میں اشتھاء کافر سے زیادہ ہوتی ہے اور اس بات کی مؤید وہ چیز ہے جو اس حدیث میں ہے اور اس طرح سے اس سے متصل آنے والی حدیث ”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مہمان آیا“ میں ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد زیادہ کھانا اور کم کھانا ہے یعنی مومن کی عادت کم کھانا ہے اور کافر کی عادت زیادہ کھانا ہے یعنی سات (آنتوں) سے کثرت مراد ہے، طیبی نے کہا کہ کامل ایمان والے کی شان ہے کہ وہ دنیا کی بے رغبتی اور کم کھانے میں حریص ہوتا ہے اور بقدر گزارہ پر قناعت کرتا ہے برخلاف کافر کے۔

پس اگر مومن اور کافر اس کے برخلاف پائے جائیں تو اس حدیث پر کوئی قدح نہیں ہوگی (یہ حدیث) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک اور وہ مومنین پر حرام ہے۔ (ملخص مرقات)۔

صاحب الکوکب الدری نے کہا کہ اس میں ایک اشکال ہے کیونکہ آنت چھ ہوتے ہیں سات نہیں علاوہ ازیں کھانا ابتداء میں آنتوں میں نہیں پہنچتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا کہ وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: یقیناً یہ ایک تمثیل ہے اور زیادہ کھانے کی صورت کو بیان کرنا ہے اور معدہ کو تغلیباً ساتویں آنت شمار کیا گیا ہے۔ پس یہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی طرح ہے
:ع: کہ پری از طعام تا بینی۔ (کہ تو کھانا ناک تک بھرتا ہے)'' کیا تم آدمی کو اپنا پیٹ ناک تک بھرنے کے بعد زندہ رہتا ہوا پاتے ہو؟''۔

پس یہ زیادہ کھانے سے کنایہ ہے' اسی طرح حضور علیہ السلام کا ارشاد زیادہ کھانے سے کنایہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا اوپر نیچے کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا اگر اسکو بھرلیا۔ المعروف الشذی میں ہے۔کہا گیا ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں بعض مسلمان زیادہ کھاتے ہیں اور بعض کفار کم کھاتے ہیں تو حدیث شریف کی کیا مراد ہے؟

جواب: حدیث شریف میں جو مذکور ہے اس سے مراد ابتغاء (طلب کرنا' چاہنا) ہے یعنی مناسب ہے کہ اس طرح ہو۔اور یہ بطور خبر نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے اب رہا کھانا پس اس کے چند مراتب ہیں (۱) فرض: اور وہ وہ ہے جس سے ہلاکت دفع ہو پس اگر کوئی کھانا اور پینا ترک کردے یہاں تک کہ ہلاک ہوجائے تو یقیناً وہ گنہ گار ہوا (۲) ماجور علیہ (جس پر اجر دیا گیا ہو) اور وہ وہ ہے جو مقدار فرض سے زیادہ ہوتا کہ وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی قدرت رکھے اور اس پر روزہ آسان ہو (۳) مباح: اور وہ وہ ہے جو اس سے زیادہ شکم سیری تک ہوتا کہ بدن کی قوت میں اضافہ ہو اور اس میں نہ کوئی اجر ہے اور نہ کوئی وبال اور اگر وہ حلال طریقے سے ہو تو اس پر آسان محاسبہ ہوگا (۴) حرام: اور وہ شکم سیری سے زائد کھانا ہے البتہ جب وہ اس سے کل کے روزے پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا اس لئے کہ مہمان نہ شرمائے تو شکم سیری سے زائد کھانے میں کوئی حرج نہیں اس قدر کم کھانے کے ذریعہ ریاضت کرنا کہ فرائض کو ادا کرنے

(69/5354) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا 1 اگر آپ کو اس کی رغبت ہوتی تو تناول فرماتے اور اسکو پسند نہ فرماتے تو چھوڑ دیتے۔ (بخاری، مسلم)

(70/5355) اور انہی سے روایت ہے کہ ایک شخص بہت کھاتا تھا پس وہ اسلام

سے کمزور ہو جائے جائز نہیں اب رہا نفس کو بھوکا رکھنا اسی طور پر ہے کہ وہ عبادت کو ادا کرنے سے عاجز نہ آئے تو وہ مباح ہے اور اس میں نفس کی ریاضت ہے اور اس سے کھانا مرغوب ہوتا ہے برخلاف پہلے کے کیونکہ وہ نفس کو ہلاک کرنا ہے۔

اسی طرح وہ نوجوان جو غلبہ شہوت کا اندیشہ کرتا ہو تو اس کے کھانے سے رکنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ بھوک کے ذریعہ اپنی شہوت کو توڑے اس طور پر کہ وہ عبادات کو ادا کرنے سے عاجز نہ آئے (الاختیار شرح المختار) اور اگر آدمی اپنی ضرورت کے بقدر کھائے یا اپنے بدن کی مصلحت کے لئے زیادہ کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں (حاوی للفتاوی) صاحب ردالمختار نے کہا عابد مرتبہ مستحب اور مباح کھانے کے درمیان اختیار سے ہے اور اس کی نیت عبادت پر قوت حاصل کرنے کی ہو تو وہ اطاعت گزار ہوگا اور اس سے لطف اندوزی اور تنعم کا ارادہ نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافرین کی مذمت ان کے لطف اندوزی اور تنعم کیلئے کھانے کے سبب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔

1 اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں (بخاری مسلم وغیرہ) سات کی تخصیص، مبالغہ اور کثرت بنانے کے لئے کہا گیا ہے کہ ایک مثال ہے مومن اور اس کی دنیا میں زہد کی اور کافر اور اس کی دنیا پر حرص کی جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا پس مومن بقدر حیات اور گزارہ کیلئے

قبول کیا اور وہ تھوڑا کھانے لگا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ مومن 1 ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (بخاری) امام مسلم نے ابوموسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی صرف روایت کی ہے۔

(71/5356) انہی کی ایک دوسری روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا اور وہ کافر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکری کا حکم فرمایا تو اس کا دودھ نکالا گیا تو اس نے اس کا پورا برتن

کھاتا ہے اور کافر شہوت' حرص اور لذت طلب کرنے کے لئے کھاتا ہے پس اس کو تھوڑی چیز شکم سیر کردیتی ہے اور اسکو زیادہ بھی شکم سیر نہیں کرتا۔

1 قولہ: طعام الاثنین کافی الثلاثۃ الخ (دو آدمیوں کا کھانا تین کیلئے کافی ہے) یہاں پر کھانے سے مراد وہ نہیں ہے جو سابقہ حدیث میں گزر گیا ہے کہ مومن ایک آنت میں یعنی تھوڑا کھاتا ہے بلکہ اس حدیث میں کھانے سے مراد شکم سیری ہے یعنی جو کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہو تین کے لئے ناکافی ہوتا ہے۔ ہاں دو آدمیوں کا شکم سیر کرنے والا کھانا تین آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے اور یہ کہا جائے دو آدمیوں کو کافی ہونے والا کھانا تین کیلئے اس وقت کافی ہوگا جبکہ وہ دونوں نیت میں مخلص ہوں اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے نام سے کھائیں کیونکہ برکت اس پر نازل ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ کفایت (کھانے کا کافی ہونا) مختلف ہوتا ہے پس وہ کم بھی ہوتا ہے اور زیادہ بھی کیونکہ وہ کلی مشکک ہے جو کفایت کے اقل ترین اور زیادہ ترین مرتبہ پر صادق ہے مہلب نے کہا: ان احادیث سے مراد مکارم اخلاق اور کفایت پر اور قناعت کرنے پر ابھارنا ہے کفایت کی مقدار میں حصر کرنا مراد نہیں۔ بلکہ ہمدردی مراد ہے اور یہ کہ دو کے لئے مناسب ہے کہ اپنے کھانے میں تیسرے کو شامل کریں

پی لیا پھر دوسری کا حکم فرمایا تو وہ اس کو پی لیا' پھر اور ایک کا حکم فرمایا تو اس کو پی لیا یہاں تک کہ سات بکریوں کا دودھ پی لیا پھر وہ صبح کیا اور اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے لئے بکری کا حکم فرمایا تو اس کا دودھ نکالا گیا تو اس نے اس کا پورا برتن پی لیا پھر دوسری کا حکم فرمایا تو اس کو مکمل نہیں کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مؤمن ایک آنت 1 میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(72/5357) ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اس کے سامنے کھجور کو ڈالا تو اس غلام نے کھایا اور بہت کھایا تو رسوال اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: زیادہ کھانا نحوست ہے اور اس کو واپس کردینے کا حکم فرمایا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(73/5358) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں 1 کا کھانا تین کیلئے کافی ہوتا ہے اور تین کا کھانا چار کیلئے کافی ہوتا ہے (بخاری' مسلم)

(74/5359) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کیلئے کافی ہوتا ہے اور دو کا کھانا چار کیلئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کیلئے کافی ہوتا ہے۔ (مسلم)

(75/5360) اور انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مقام "مرالظہران" میں پیلو کے پھل توڑ رہے تھے تو آپ صلی

اور حاضرین کی مناسبت سے چوتھے کو بھی شامل کریں۔ (یہ الکوکب الدری اور اس کے حاشیہ کا ماحصل ہے)

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا کالا پھل توڑو کیونکہ وہ زیادہ اچھا ہے تو عرض کیا گیا: کیا آپ بکریوں کی نگہبانی کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: ہاں اور کوئی نبی نہیں ہے مگر انہوں نے ان کی نگہبانی کی ہے۔ (بخاری، مسلم)

---

1 قولہ : فسالتہ احرام ھو الخ (پس میں نے دریافت کیا کیا وہ حرام ہے؟) درمختار اور ردالمحتار میں ہے لہسن جیسی چیز کا کھانا مکروہ ہے اور اس سے روکا گیا ہے یعنی پیاز اور اس جیسی چیز جسکی ناپسندیدہ بو ہو صحیح حدیث کی بناء ہے جس میں لہسن اور پیاز کھا کر مسجد کے قریب آنے والے کیلئے ممانعت ہے۔

امام عینی نے صحیح بخاری کی اپنی شرح میں فرمایا میں کہتا ہوں ممانعت کی علت فرشتوں کی تکلیف اور مسلمانوں کی تکلیف ہے اور یہ حکم مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) سے مختص نہیں بلکہ تمام مساجد برابر ہیں کیونکہ "مساجدنا" کی روایت جمع کے صیغے کے ساتھ ہے۔ برخلاف ان کے جو اس میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث شریف میں جس کی صراحت کی گئی ہے اس چیز کو شامل کیا جائیگا جس کی ناپسندیدہ بو ہو۔ خواہ کھائے جانے والی چیز ہو یا نہ ہو۔ یہاں لہسن کو اور دوسری حدیث میں پیاز اور جنگلی پیاز کو لوگوں کے کثرت سے کھانے کی وجہ سے خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ اسی طرح بعض علماء نے اس میں اس آدمی کو شامل کیا جس کے منہ میں بُو ہو یا اس کو ایسا زخم ہو جس کی بُو ہو۔ اسی طرح قصاب، مچھیرا، جذامی اور برص والا (اس حکم میں) بدرجہ اولیٰ شامل کئے جائیں گے۔

اور سحنون نے کہا: میری رائے میں ان دونوں پر جمع نہیں ہے اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث میں ان تمام لوگوں کو شامل کیا جن کی زبان سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور اسی پر ابن عمر نے فتویٰ دیا ہے اور یہی ان تمام لوگوں کو روکنے کی دلیل ہے۔ جن سے تکلیف ہوتی ہے یہ بات بعید نہیں کہ بُودار چیز کے کھانے میں معذور

(76/5361) سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مشروم من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کیلئے شفاء

کے عذر کو قبول کرلیا جائے اس حدیث کی بناء پر جو صحیح ابن حبان میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے لہسن کی بو کو پایا تو ارشاد فرمایا کس نے لہسن کھایا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک کو پکڑ لیا اور اس کو داخل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے سینے کو مٹی سے بندھا ہوا پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یقیناً تمکو عذر ہے۔ الاوسط للطبرانی کی روایت میں ہے اور میں نے اپنے سینے کی شکایت کی اور میں نے اس کو کھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بارے میں مجھ پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد: ''چاہئے کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے'' صریح ہے اس بارے میں کہ ان اشیاء کا کھانا جماعت سے پیچھے رہنے میں عذر ہے۔ اور یہاں بھی دو علتیں ہیں۔

1) مسلمانوں کی تکلیف

2) فرشتوں کی تکلیف

پہلی علت کو دیکھتے ہوئے وہ جماعت کو چھوڑنے اور مسجد حاضر ہونے میں معذور ہوگا اور دوسری علت کو دیکھتے ہوئے مسجد کی حاضری کو ترک کرنے میں معذور ہوگا اگرچیکہ وہ تنہا ہو (ملخص)

میں کہتا ہوں کہ اس کے اس میں معذور ہونے کو اس بات سے مقید کرنا مناسب ہے کہ جب وہ اس کو کسی عذر کی وجہ سے یا نماز کے وقت کے داخل ہونے کو بھول کر کھائے تاکہ وہ ایسا کام کرنے والا قرار نہ پائے جو اس کے اپنے عمل سے جماعت کو چھوڑنے والا ہو جائے۔

ہے۔(متفق علیہ)

(77/5362) مسلم کی ایک روایت میں ہے اس من سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا۔

(78/5363) ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے

---

1 قولہ : فلیعتزل مسجدنا (چاہئے کہ وہ ہماری مسجد سے الگ رہے) کہا گیا کہ یہ (حکم) مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حکم تمام مسجدوں کے بارے میں عام ہے ''ہماری مسجد'' کے معنی مسلمانوں کی مساجد مراد ہیں۔اس پر وہ چیز دلالت کرتی ہے جو روایت میں وارد ہوئی ہے کیونکہ ملائکہ کو تکلیف ہوتی ہے ان چیزوں سے جس سے بنی آدم کو تکلیف ہوتی ہے۔اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ممانعت کی علت ناپسندیدہ بو ہے جو اہل مسجد یعنی بنی آدم اور فرشتوں کیلئے تکلیف دہ ہوتی ہے اور اسی سے ہر اس چیز کی کراہت پر استدلال کیا گیا جس کی ناپسندیدہ بو ہو جیسے پیاز، مولی جنگلی پیاز اور اس جیسی چیزیں اور اسی طرح سگریٹ نوشی ہے جو اس زمانے میں عام ہے اور لوگوں کے درمیان یہ ایک ایسی بلا ہے جو خاص و عام کو لپیٹ میں لے لی ہے اس میں بزرگوں کے اقوال مختلف ہیں بعض حرام قرار دیتے ہیں اور بعض بلا کراہت جائز قرار دینے والے ہیں اور بعض کراہت تحریمی یا تنزیہی کا حکم لگاتے ہیں۔اور فی الواقع میں نے اس میں حکم کو اپنے رسالہ ''ترویح الجنان بتشریح حکم شُرب الدخان'' میں تحقیق سے لکھا ہے پس اس کی طرف مراجعت کرو۔مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شریف التعلیق الممجد علی موطا محمد میں اسی طرح ہے۔

تناول فرماتے اور بچے ہوئے کھانے کو میرے پاس روانہ فرماتے اور ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پاس ایک پیالہ بھیجا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول نہیں فرمایا تھا کیونکہ اس میں لہسن تھا تو میں نے دریافت کیا: کیا وہ حرام ہے؟ 1 آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں لیکن میں اس کو اس کی بو کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں۔ انھوں نے کہا میں ناپسند کروں گا اس کو جس کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے۔ (مسلم)

---

1 قولہ الا مطبوخا (مگر وہ پکا ہوا ہو) مرقات میں ہے اس کی ممانعت سے متعلق جو احادیث مطلق آئی ہیں اس حدیث سے ان کو مقید کرنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

امام محمد نے مؤطا میں کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اس کی بو کی وجہ سے ناپسند فرمایا پس جب تم اس کی بو کو پکا کر ختم کردو تو اس میں حرج نہیں یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور عام فقہاء رحمہم اللہ کا ہے۔

2 قولہ آخر طعام اکلہ رسول اللہ ﷺ طعام فیہ بصل (آخری کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا اس میں پیاز تھی) یعنی لفظ طعام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پکی ہوئی پیاز تھی کیونکہ عام طور پر اس میں پکی ہوئی ہوتی ہے۔ ابن ملک نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنی اخیر عمر میں تناول فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ اور یہی مظہر کا قول ہے ابن حجر نے شمائل کی شرح میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس کو کھانا آپ نے اس لئے لہسن اور مولی سے جو منع فرمایا ہے اس کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ممانعت کچی پیاز کے بارے میں ہے کیونکہ صحیح ترین قول کی بناء پر وہ مکروہ ہے حرام نہیں۔ طیبی نے کہا ابوایوب رضی اللہ تعالی عنہ کی سابق میں گزری ہوئی حدیث میں بیان کردیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بو کی وجہ سے ناپسند فرمایا اور جو پکی ہوئی ہو خصوصاً پیاز تو اس کی بو نہیں رہتی۔

(79/5364) اور بخاری ومسلم میں جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جولہسن یا پیاز کھائے چاہئے کہ وہ ہم سے الگ رہے
یا یہ فرمایا: چاہئے کہ وہ ہماری مسجد سے 1 دور رہے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ اور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ہانڈی لائی گئی جس میں چند ترکاریوں میں سے
چند سبزیاں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بو کو پایا تو ارشاد فرمایا تم اس کو کسی

امام طحاوی نے شرح الآثار میں احادیث نقل کرنے کے بعد کہا پس یہ احادیث پیاز کراث اور لہسن جیسی چیز کے کھانے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں خواہ وہ پکی ہوئی ہو یا پکی ہوئی نہ ہو بشرطیکہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور مسجد میں آنے کی کراہت پر دلالت کرتی ہیں جبکہ اس کی بو موجود ہو تا کہ اس میں موجود فرشتوں اور انسانوں کو اس سے تکلیف نہ ہو۔ انھوں نے کہا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔

1 قولہ کیلوا طعامکم الخ (تم اپنے غلہ کو ناپ لیا کرو) مظہر نے کہا: کھانا ناپنے کی غرض یہ ہے کہ آدمی جو قرض لیتا ہے اور جو خرید وفروخت کرتا ہے اس کی مقدار معلوم ہو کیونکہ اگر وہ نہ ناپے تو جو وہ بیچیگا اور خریدیگا وہ مجہول ہوگا اور وہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر جو کچھ وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کر رہا ہے نہ ناپے تو بسا اوقات وہ ان کو کافی ہونے کی مقدار سے کم ہوگا تو یہ کمی ان پر ضرر ہوگی اور کبھی ان کے کافی ہونے کی مقدار سے زائد ہوگا تو وہ پورے سال کے لئے جو ذخیرہ کرے گا اس سے ناواقف ہوگا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپنے کا حکم فرمایا تا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس میں ان کو واقفیت اور یقین رہے۔ پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا لحاظ رکھا وہ دنیا میں بڑی برکت اور آخرت میں بڑے اجر کو پائیگا۔ (مرقات)

صحابی کے پاس کر دو اور فرمایا تم کھاؤ کیونکہ میں ایسی ذات سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی نہیں کرتے ۔

(80/5365) ابوداؤد اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لہسن کھانے سے منع فرمایا مگر یہ کہ وہ پکا ہوا ہو۔

(81/5366) ابوزیاد سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیاز کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ: آخری کھانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرمایا اس میں پیاز تھی ۔ 2 (ابوداؤد)

(82/5367) مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے غلہ کو ناپ لیا کرو 1 تمہارے لئے اس میں برکت ہوگی ۔ (بخاری)

---

1 قولہ اعظم للبرکۃ (وہ برکت کے لئے بڑی چیز ہے) اسی لئے ردالمحتار میں ہے کھانے کی سنت یہ ہے کہ کھانا گرم حالت میں نہ کھایا جائے۔

2 قولہ کان اذا رفع مائدتہ قال الحمدللہ الخ (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دستر اُٹھاتے تو الحمدللہ فرماتے (عالمگیری میں ہے کھانے کی سنتیں ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا اور آخر میں الحمدللہ کہنا ہے پس اگر وہ ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آجائے تو اس کو بسم اللہ علی اولہ و آخرہ کہنا چاہئے (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اس کے شروع میں اور اس کے اخیر میں (الاختیار شرح المختار) اور جب تم بسم اللہ کہو تو اپنی آواز کو بلند کرو تا کہ تم اپنے ساتھ والوں کو تلقین کرسکو (تاتارخانیہ) اللہ تعالیٰ کے نام سے آغاز کیا جائیگا بشرطیکہ کھانا حلال ہو اور اس کے اخیر میں الحمدللہ کہا جائیگا خواہ وہ کیسا بھی ہو۔

(83/5368) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس ثرید لایا جاتا تو وہ اس کا حکم دیتی تو اس کو ڈھانک دیا جاتا یہاں تک کہ اس کے بھانپ کی تیزی ختم ہوجاتی اور وہ کہتی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ برکت کیلئے بڑی چیز ہے۔ 1 (دارمی)

(84/5369) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنا دسترا اُٹھاتے تو فرماتے 2 "الحمدللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا" (تمام تعریف اللہ کے لئے ایسی تعریف جو زیادہ ہے پاکیزہ ہے جس میں برکت ہے، جو ختم نہ ہو اور نہ اس کو چھوڑا گیا ہو اور نہ اس سے بے نیازی ہوائے ہمارے رب)۔ (بخاری)

(85/5370) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے الحمدللہ

---

1 قولہ: الطاعم الشاکر الخ (کھانے والا جو شکر گزار ہے) کہا گیا کہ اس کا کم سے کم شکریہ ہے کہ جب وہ کھائے تو اللہ تعالیٰ کا نام لے اور جب فارغ ہوئے تو اس کی حمد کرے۔ (مرقات)

............: باب ختم ہوا :............

الذی أطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور سیراب کیا اور ہمیں مسلمان بنایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(86/5371) ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تناول فرماتے یا نوش فرماتے تو الحمد للہ الذی أطعم و سقی و سوغہ و جعل لہ مخرجاً فرماتے (یعنی تمام تعریف اللہ کے لئے ہے. جس نے کھلایا سیراب کیا اور اس کو آسانی سے حلق سے اُتارا اور اس کے لئے نکلنے کی جگہ بنائی)۔

---

1 قولہ فلیکرم ضیفہ (وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے) جمہور نے کہا ضیافت کرنا سنت ہے اور واجب نہیں، (پہلے) واجب تھا چنانچہ اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ یہ (بات) امام طحاوی نے کہی اور جمہور نے کہا: مہمان کا اکرام خندہ پیشانی اور اچھی گفتگو اور تین دن کھانا کھلانے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پہلے دن اپنی طاقت وسہولت کے ساتھ اور باقی دن بلا تکلف جو کچھ موجود ہو اس کے ذریعہ، تاکہ وہ اس پر اور خود اپنے آپ پر بوجھ نہ بنے اور تین دن کے بعد اس کو صدقہ میں شمار کیا جائیگا، اگر وہ چاہے تو کرے ورنہ نہ کرے۔ داودی نے کہا: آدمی اپنے گھر والوں کیلئے جو کچھ کرتا ہے تو مہمان کے اکرام میں اس سے زیادہ کرے۔ کرمانی نے کہا: اگر تم کہو ان تین اُمور کو بیان کرنے کی وجہ کیا ہے تو میں کہتا ہوں یہ کلام جوامع الکلم میں سے ہے۔ کیونکہ یہ اصولی باتیں ہیں۔ کیونکہ ان میں سے تیسری چیز میں قولی اصول کی طرف اشارہ ہے اور پہلی دو چیزوں میں فعلی اصول کی طرف اشارہ ہے ان دونوں میں سے دوسری چیز سے رذائل کو چھوڑنے کی طرف اور پہلی چیز سے فضائل سے آراستہ ہونے کی طرف اشارا ہے یعنی جس شخص میں اللہ کے حکم کی تعظیم کی صفت موجود ہو تو اس کے لئے اللہ عزوجل کی مخلوق پر مہربانی کرنے کی صفت کے ساتھ متصف ہونا ضروری ہے۔ یا تو اچھی بات کہکر یا بری بات

(87/5372) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوتا ہے کہ وہ ایک گھونٹ پیئے اوراس پراس کی حمد کرے۔ (مسلم)

(88/5373) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھانا والا جوشکر گزار ہے 1 صابر روزے دار کی طرح ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے سنان بن سنہ عن ابیہ سے روایت کیا ہے)

سے سکوت اختیار کرکے یا مفید کام انجام دے کر یا نقصان دہ چیزوں کو چھوڑ کر۔ (ماخوذ از عمدۃ القاری، مرقات)

2 قولہ فلیقل خیرا اولیصمت (چاہئے کہ وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے) یعنی جب وہ بات کرنے کا ارادہ کرے اور جو بات وہ کر رہا ہے وہ خیر وثواب کی ہے خواہ وہ واجب ہو یا مستحب تو اس کو چاہئے کہ وہ یہی بات کہے اور اگر اس بات کا اچھا ہونا ظاہر نہ ہو یا اس بات کا حرام یا مکروہ یا مباح ہونا ظاہر ہو تو اس سے رک جائے یا اس میں مباح کلام کو بھی ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے کہ اس کے مفضی الی الحرام ہونے کا اندیشہ ہے۔ (مرقات)

3 قولہ فلیکرم ضیفہ الخ (چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے) زرقانی رحمہ اللہ نے کہا: جمہور کے پاس مہمان کا اکرام کرنے کا حکم استحبابی ہے کیونکہ ضیافت کرنا عمدہ اخلاق میں سے ہے۔ واجب نہیں ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد جائزۃ کی بناپر ہے۔ اور جائزۃ مہربانی اور احسان کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح امام طحاوی ابن بطال اور ابن عبدالبر نے اس سے استدلال کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1/193 باب الضيافة

مہمان نوازی کا بیان

(89/5374) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے 1 اور جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ اور جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو چاہئے کہ وہ اچھی بات کہے 2 یا خاموش رہے۔

(90/5375) اور ایک روایت میں پڑوسی کے بجائے یہ ہے جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو چاہئے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ (متفق علیہ)

(91/5376) ابوشریح کعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

لیث اور امام احمد نے کہا: ایک دن کی ضیافت واجب ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوع میں ہے لیلة الضيف واجبة على كل مسلم (مہمان کی ایک رات ضیافت واجب ہے ہر مسلمان پر) اور جمہور نے اس حدیث کا اور اس جیسی (دیگر) حدیثوں کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا جبکہ مواساۃ ہمدردی کرنا واجب تھا و نیز یہ بھی جواب دیا کہ یہ مجبوروں کی ضیافت کرنے پر محمول ہے۔ (التعلیق الممجد)

1 قوله يخرج الرجل مع ضيفه الى باب الدار (آدمی اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے) واضح بات تو یہ ہے کہ یہ حکم مزید اکرام واحترام کے قبیل سے ہے۔ (مرقات)

فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اس کے لئے عمدہ اہتمام ایک دن ایک رات ہے اور مہمانی تین دن ہے۔ اور اس کے بعد وہ صدقہ ہے اور اس کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ اس کے پاس وہ اس قدر قیام کرے کہ اس کو حرج میں ڈالدے۔ (متفق علیہ) 3

(92/5377) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سنت طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دوازے تک نکلے۔ 1

ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے اور ملا علی قاری نے کہا: متعدد سندوں سے اس ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث فضائل اعمال سے ہے۔ اور طحاوی رحمہ اللہ نے کہا: عقبہ کی حدیث فخذوا منهم حق الضيف (تم ان سے مہمان کا حق لو) اور اس جیسا حکم ابتداء اسلام میں تھا۔ اور وہ منسوخ ہوگیا۔

(93/5378) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس گھر میں کھانا کھایا جاتا ہے اس گھر میں بھلائی اونٹ کے کوہان کی طرف چھری جانے سے بڑھکر تیزی سے پہنچتی ہے۔

(94/5379) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن یا ایک رات باہر تشریف لائے تو اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے اس وقت اپنے گھروں سے نکلنے کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے کہا بھوک۔ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے بھی وہی چیز لائی ہے جو تم دونوں کو لائی ہے۔ تم اُٹھو چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کے ساتھ ایک انصاری صحابی کے پاس تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں نہیں تھے۔ پس جس وقت ان کی بیوی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو بولیں مرحبا واھلا (خوش آمدید یہ آپ کا گھر ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا فلاں (صاحب) کہاں ہیں۔ وہ عرض کیں۔ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لانے کیلئے گئے ہیں۔ اتنے میں انصاری صحابی آ گئے پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے دو ساتھیوں کو دیکھے پھر الحمدللہ کہے کہ آج اللہ کے پاس کوئی بھی مجھ سے بڑھکر معزز و مکرم مہمان والا نہیں ہے۔ انھوں نے کہا، پس وہ گئے اور ان کی خدمت میں ایک خوشہ لائے جس میں گدرے پکے اور تازہ کھجور تھے۔ اور عرض کیا: اس میں سے آپ تناول فرمائیں اور چھری لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تم دودھ دینے والی بکری سے دور رہو پھر وہ ان کے لئے ذبح کئے تو وہ حضرات اس بکری اور اس خوشے میں سے تناول فرمائے اور نوش فرمائے۔ جب وہ سب شکم سیر اور سیراب ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ضرور ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائیگا بھوک تم کو تمہارے گھروں سے نکالی پھر تم واپس نہیں ہوئے یہاں تک کہ تمہیں یہ نعمت ملی۔ (مسلم)

(95/5380) ابوعسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میں نکلے اور آپ میرے پاس سے گذرے اور مجھکو بلائے چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کے پاس سے

گذرے اوران کو بلائے چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم عمر کے پاس سے گذرے اوران کو بلائے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چلے یہاں تک کہ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے اور باغ کے مالک سے فرمایا: تم ہمیں گدرے کھجور کھلاؤ۔ چنانچہ وہ ایک خوشہ لائے اوراس کو رکھ دیئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھیوں نے تناول فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ٹھنڈا پانی طلب فرمائے اور نوش فرمائے اورارشاد فرمائے بروز قیامت ان نعمتوں کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ راوی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خوشہ لیا اوراس کو زمین پر مارا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب گدرے کھجور جھڑے۔ پھر عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا ہم کو قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی پوچھا جائیگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہاں: مگر تین چیزوں کے متعلق کپڑے کا وہ ٹکڑا جس کے ذریعہ آدمی اپنے شرم کے حصہ کو لپیٹ لیتا ہے۔

2] یا روٹی کا وہ ٹکڑا جس کے ذریعہ وہ اپنی بھوک مٹاتا ہے۔ یا وہ سوراخ (مختصر مکان) جس میں آدمی گرمی اور سردی (سے بچاؤ کیلئے) بمشکل داخل ہوتا ہے۔ (احمد شعب الایمان للبیہقی)

(96/5381) انس رضی اللہ عنہ سے یا ان کے سواے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس اجازت چاہی اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا پس سعد نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ عرض کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو انھوں نے نہیں سنایا یہاں تک کہ آپ نے تین مرتبہ سلام فرمایا اور سعد رضی اللہ عنہ تین مرتبہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب عرض کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کونہیں سنایا پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس ہوگئے تو سعد آپ کے پیچھے گئے اور عرض کئے: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے ہر مرتبہ کا سلام میرے کان میں پہنچا۔ خدا کی قسم یقیناً میں نے آپ کا جواب عرض کیا اور میں آپ کونہیں سنایا اور میں چاہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے بکثرت سلام و برکت حاصل کروں پھر وہ سب گھر میں داخل ہوئے چنانچہ انھوں نے آپ کے لئے کشمش پیش کیا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تناول فرمائے پس جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: **اکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکة وافطر عندکم الصائمون** (نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے حق میں رحمت کی دعاء کریں اور تمہارے پاس روزوں دار افطار کریں)۔ (شرح السنة)

(97/5382) ابوالاحوص جشمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ بتایئے اگر میں کسی آدمی کے پاس سے گذروں اور نہ وہ مجھے مہمان بنائے نہ وہ میری ضیافت کرے پھر اس کے بعد وہ میرے پاس سے گذرے تو کیا میں اس کی ضیافت کروں یا اس کا بدلہ لوں آپ نے فرمایا: بلکہ تم اس کی ضیافت کرو۔ 1 (ترمذی)

(98/5383) ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے

---

1 قولہ: بل اقرہ (بلکہ تم اس کی ضیافت کرو) اس میں مہمان نوازی پر ابھارنا ہے۔ جو عمدہ اخلاق میں سے ہے اور منجملہ اچھے اخلاق کے یہ ہے کہ برائی کا جواب اچھائی سے دینا ہے۔

ہیں آپ نے فرمایا: مؤمن کی مثال اور ایمان کی مثال اس گھوڑے کی مثال ہے جو اپنی رسی میں گھومتا ہے پھر اپنی رسی کی طرف لوٹ کر آتا ہے اور بلاشبہ مؤمن بھولتا ہے پھر وہ ایمان کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔ پس تم اپنا کھانا پرہیز گاروں کو کھلاؤ اور اپنا سلوک مؤمنین کے ساتھ کرو ۔(شعب الایمان للبیہقی حلیہ ابونعیم)

(99/5384) عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو چار آدمی اُٹھاتے تھے۔ جس کو غرّاء کہا جاتا تھا۔ پس جب وہ چاشت کے وقت میں داخل ہوئے اور چاشت کی نماز پڑھے تو آپ کی خدمت میں وہ پیالہ لایا گیا اس حال میں کہ اس میں ثرید بنی ہوئی تھی وہ اس پر جمع ہو گئے اور جب وہ زیادہ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوزانو بیٹھے چنانچہ ایک دیہاتی نے کہا: یہ بیٹھک کیسی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ مجھ کو کرم والا بندہ بنایا اور سرکش و متکبر نہیں بنایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے اطراف سے کھاؤ اور اس کے درمیانی حصہ کو چھوڑ دو اس میں برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)

(100/5385) وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کھاتے ہیں اور شکم سیر نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہوں گے تو انھوں نے عرض کیا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پس تم ملکر کھاؤ اور اللہ کا نام لو تمہارے لئے اس میں برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)

(101/5386) اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب ملکر ایک ساتھ کھاؤ اور الگ الگ، متفرق طور پر مت کھاؤ کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۔

اور ملا علی قاری نے کہا: البتہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "لیس علیکم جناح أن تاکلوا جمیعا او اشتاتا" (تم پر کوئی حرج نہیں یہ کہ تم ملکر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ) اجازت پر محمول ہے جب یا آدمی تنہا ہو تو اس سے حرج دور کرنے کیلئے ہے۔

(102/5387) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب دستر خوان بچھایا جائے تو کوئی آدمی نہ اُٹھے یہاں تک کہ دستر خوان اُٹھالیا جائے اور اپنے ہاتھ کو بھی نہ اُٹھائے اگر چیکہ وہ شکم سیر ہو جائے یہاں تک کہ قوم فارغ ہو جائے اور چاہئے کہ وہ عذر پیش کرے کیونکہ یہ اس کے ہمنشین کو شرمندہ کردیگا اور وہ اپنا ہاتھ روک لیگا ہوسکتا ہے اس کو کھانے کی حاجت ہو۔ (ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

(103/5388) جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی قوم کے ساتھ کھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے میں سب سے اخیر تک رہتے۔

(104/5389) اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر پیش کئے ہم نے کہا اس کی خواہش ہم نہیں رکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم بھوک اور جھوٹ پر جمع مت ہو۔ (ابن ماجہ)

...... : باب الضیافہ ختم ہوا : ......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2/194 باب اکل المضطر

مضطر شخص کے کھانے کا بیان

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے" انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل به لغیر الله فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه ان الله غفور رحیم "۔

ترجمہ: اس نے تم پر حرام کیا ہے مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے البتہ جو شخص (حلال غذا کے نہ ملنے سے) مجبور ہو جائے (اور ممانعت کی ہوئی چیزوں میں سے کچھ کھائے) بشرطیکہ وہ شخص خدا کی نافرمانی

---

1 قولہ: واورد صاحب المشکوة فی هذا الباب حدیث ابی داؤد الخ (اور صاحب مشکوۃ نے اس باب میں ابوداؤد کی حدیث ذکر کی ہے) یہ وہی حدیث شریف ہے جس کو ابوداؤد نے فجیع عامری سے روایت کی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کیا: مردار میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کھانا کتنا ہے؟ ہم نے کہا: ہم صبح اور شام کو دودھ کا ایک ایک پیالہ نوش کرتے ہیں۔ ابونعیم نے کہا: عقبہ نے میرے لئے اس کی وضاحت یہ کی کہ وہ صبح میں ایک پیالہ اور شام میں ایک پیالہ ہے تو انھوں (ابونعیم) نے کہا: " یہ کافی ہے" اور انھوں نے اس کو بھوک کہنے سے انکار کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے

کرنے والا اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو۔ تو اس پر کچھ گناہ نہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورۃ بقرہ آیت 173)

ایسی حالت میں مردار کو حلال قرار دیا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ: "تھوڑا کھانا کے باوجود مردار کو کھانا جائز ہے اور مجبوری کی صورت میں شکم سیر ہونے تک کھانا جائز ہے" اور اس بناء پر انھوں نے دارمی کی اس حدیث کی مخالفت کی ہے جو مشکوۃ میں اس کے بعد ہے اور جس کو ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے کیونکہ دارمی کی حدیث میں ہے مضطر کیلئے مردار کو حلال کرنے والی امر وہ اضطرار ہی ہے۔ اور وہ متحقق نہیں ہوتا ہے اس غبوق (شام کیلئے ایک پیالہ دودھ) اور صبوح (صبح کیلئے ایک پیالہ دودھ) کے ہوتے ہوئے جس پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اضطرار متحقق نہیں ہوتا کیونکہ وہ جان بچا سکتا ہے۔ پس اس کی توجیہ یہ ہے کہ صبح میں ایک پیالہ اور شام میں ایک پیالہ پینا یہ پوری قوم کے درمیان مشترک طور پر تھا۔ اور اس توجیہ کی دلیل سائل کا قول: "مایحل لنا؟" ہے (ہمارے لئے کیا حلال ہے) کیونکہ وہ اپنی قوم کے قاصد تھے۔ اس لئے وہ خاص طور پر اپنے آپ کیلئے سوال نہیں کئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول "ماطعامکم" ؟ (تمہارا کھانا کتنا ہے) سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ جب آپ کیلئے یہ بات واضح ہوگئی کہ قوم اپنی بیان کردہ کھانے کی مقدار سے جان بچانے کیلئے ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے مردار کھانے پر مجبور ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے ایسی حالت میں مردار کے کھانے کو جائز قرار دیا۔ دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی یہی صورت ہے۔ خطابی نے کہا: صبح ایک دودھ کا پیالہ اور شام میں دودھ کا ایک پیالہ زندگی کو برقرار رکھتا ہے۔ اور سانس کو قائم رکھتا ہے اگرچہ کہ وہ مکمل طور پر شکم سیر نہیں کرتا ہے۔ اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مردار کے کھانے کو مباح کیا ہے تو وہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:"فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم" (مائدہ آیت 3)

ترجمہ: تو جو کوئی بھوک سے مجبور ہوجائے بشرطیکہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو (اور وہ کوئی حرام چیز کھالے) تو اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

مردار کو شکم سیر ہونے تک کھانا جائز ہے۔

اور امام مالک اور امام احمد کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے یہ ایک ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا: اس میں سے اس کے لئے اس سے بڑھ کر کھانا جائز نہیں ہے جو اس کی آخری سانس کو روک سکے۔ اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول ہے۔ اور انھوں نے ایک عجیب بات یہ کہی ہے: اگرچہ کہ وہ مکمل طور پر شکم سیر نہ ہو کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شکم سیری کے باوجود مردار کو کھانا حلال ہے۔ جب کہ وہ کامل شکم سیری نہ ہو۔ مگر میں اس بارے میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے ایسا کہا ہو۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود مردار کے کھانے کو مباح قرار دیا ہے۔ اگر وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ مردار کا کھانا مذکورہ حالت کے ساتھ جائز ہے تو یہ ممنوع ہے۔

کیونکہ آیت اس پر دلالت نہیں کر رہی ہے اور اگر وہ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ مردار کھانا مذکورہ حدیث کے مفہوم میں ہے تو تم یہ جان چکے ہو کہ یہ اس حدیث کے معارض ہے جو اس کے بعد آرہی ہے اور وہ تاویل کا احتمال بھی رکھتی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال مکمل نہیں ہوتا ہے خصوصاً جب کہ معارض (حدیث) پائی جائے۔ کیونکہ قاعدہ ہے "ترجیح المحرم علی المبیح احتیاطا" حرام کرنے والی (نص) کو مباح کرنے والی (نص) پر احتیاطاً ترجیح دی جاتی ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

(105/5390) ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیشک ہم ایک ایسی سرزمین میں رہتے ہیں جہاں ہم کو خوب بھوک لگتی ہے پس ہمارے لئے مردار کب حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم صبح دودھ کا ایک پیالہ نہ پاؤ یا شام میں دودھ کا ایک پیالہ نہ پاؤ یا تم وہاں سبزی نہ پاسکو تو تمہارا اختیار ہے۔

اس کے معنی یہ ہے کہ جب تم صبوح (صبح کیلئے دودھ) یا غبوق (شام کیلئے دودھ) اور وہ سبزی جسے تم کھاتے ہو نہ پاؤ تو تمہارے لئے مردار حلال ہے۔ (دارمی)

اس میں ہمارے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ مجبور کے لئے مردار کو مباحث بنانے والی چیز اس کی مجبوری ہے اور یہ (اضطرار) صبح اور شام دودھ کا ایک ایک پیالہ ہوتے ہوئے کہ جس پر وہ اکتفاء کرسکتا ہے، متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ (اس سے اپنی) جان بچاسکتا ہے۔

اور صاحب مشکوۃ نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کیلئے اس باب میں ابوداؤد کی حدیث 1 ذکر کی ہے۔ اور انھوں نے یہ مراد لیا ہے کہ اضطرار ہلاکت کے اندیشہ پر

---

1 قولہ: یتنفس فی الشرب ثلاثا (پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیتے تھے) یعنی پینے کے دوران تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔ امام بغوی نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ: تین (گھونٹ) میں پیئے اور ہر گھونٹ میں برتن کو اپنے منہ سے ہٹادے اور سانس لے پھر دوبارہ پیئے۔ اور حدیث شریف جس میں مروی ہے: "نهى عن التنفس فی الاناء" اس سے مراد یہ ہے کہ برتن کو منہ سے ہٹائے بغیر سانس لے، تو یہ منع ہے۔ اور حضرت قاضی صاحب نے کہا ہے کہ تین دفعہ (گھونٹ) میں پینا پیاس کو زیادہ

موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کے پاس ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مردار کا حلال ہونا ہلاکت کے خوف پر موقوف نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ جب دودھ کا ایک پیالہ صبح اور ایک پیالہ شام میں پینے کے بعد آدمی پر ہلاکت کا خوف نہیں رہتا ہے۔ ہم نے کہا: پس اس کا جواب یہ ہے کہ ایک پیالہ ساری قوم کیلئے تھا ہر ایک کیلئے ایک ایک پیالہ نہیں تھا کیونکہ ایک دن میں دو پیالوں کے بعد کھانے کی تو کوئی ضرورت نہیں رہتی چہ جائیکہ اضطرار ہو۔

ختم کرنے والا ہے اور ہضم پر زیادہ مؤثر ہے۔ معدہ کے فعل کو سست کرنے اور اعصاب کو کمزور کرنے کا اثر نہیں رکھتا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الشمائل میں کہا ہے کہ سند حسن سے روایت آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سانس میں پیا کرتے تھے، اور جب برتن کو اپنے دہن مبارک سے قریب کرتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب اس کو ہٹاتے تو الحمدللہ کہتے اور یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔ (ماخوذ از مرقات) فتاوی عالمگیریہ میں ہے ایک سانس میں نہ پیئے۔

1 قولہ او ینفخ فیہ ۔صاحب مرقات نے کہا ہے کہ اگر پھونک مارنا ٹھنڈا کرنے کیلئے ہے تو اس کو چاہئے کہ صبر کرے اور اگر کچرے کی وجہ سے ہے تو اس کو کسی کاڑی یا اس جیسی کسی چیز سے ہٹادے اور انگلی سے نہ ہٹائے کیونکہ طبیعت اس سے گھن کرتی ہے یا پانی کو گرادے (انتھی) ردالمحتار نے الحظر والاباحۃ کے بیان میں کہا ہے کہ دوسری صورت کے بارے میں یہ ہے کہ کھانے میں پھونک مارنا مکروہ نہیں ہے مگر ایسی صورت میں کہ اس میں آواز ہو جیسے اُف، اور منع ایسی صورت میں ہی ہے۔ (انتھی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

3/195 باب الاشربة

پینے کی چیزوں کا بیان

(106/5391) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیتے تھے (متفق علیہ) امام مسلم نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: ''اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ یہ زیادہ سیراب کرنے والا زیادہ مفید اور زیادہ خوشگوار ہے'' 1 (مسلم)

(108/5393) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیو لیکن تم دو یا تین سانس میں پیو اور

---

1 قولہ: نهى رسول الله ﷺ عن الشرب من في السقاء (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پینے سے منع فرمایا) اور مظہر نے کہا ہے کہ وہ اس لئے کہ پانی کا ایک دم جانا اور معدہ میں اس کا ایک دم انڈیلا جانا معدہ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی گھونٹ میں پینے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا (انتھی) اور اس لئے بھی کہ برتن کو منہ لگا کر پینا مذموم ہے اور مشکیزے کو منہ لگا کر پینے کی صورت میں چسکی لے کر پینا ممکن نہیں ہے اور امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ تم پانی کو اچھی طرح چسکی لیکر پیا کرو۔ اور اس کو ایک دم مت انڈیلو۔ (مرقات) اور عالمگیری میں ہے چھوٹے بڑے مشکیزے کے منہ سے مت پیو کیونکہ یہ صورت حلق میں کوئی نقصان دینے والی چیز کے داخل ہونے سے خالی نہیں۔ (فتاوی غیاثیہ)

جب پیو تو اللہ کا نام لو اور جب بس کرو تو حمد کرو۔ (ترمذی)

(109/5394) اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ 1 (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(110/5395) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمائے تو ایک شخص نے کہا میں برتن میں کاڑی دیکھتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو بہادو (پھینک دو) تو اس نے کہا میں ایک گھونٹ میں سیر نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا تو تم پیالے کو اپنے منہ سے الگ کرو پھر سانس لو۔ (ترمذی، دارمی)

(111/5396) ان ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے کے سوراخ سے پینے سے منع فرمایا اور پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

(112/5397) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پینے سے منع فرمایا۔ 1 (متفق علیہ)

(113/5398) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزوں کے منہ کو الٹا کر پینے سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

---

1 قولہ : کنّا ناکل علی عھد رسول اللہ ﷺ ونحن نمشی الخ (ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے کھاتے تھے) صاحب کوکب دری نے کہا ہے کہ ان دو کاموں میں ممانعت چونکہ شرعی نہیں ہے بلکہ وہ حفظان صحت کے لئے ہے اس لئے اس کا ارتکاب کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل اور اپنی تقریر سے اس کو بیان فرمادیا ہے۔

2 قولہ: لا نری بالشرب قائما باسا (کھڑے ہوکر پینے میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے

(115/5399) اور ایک روایت میں یہ زیادہ ہے اور اس کا اختناث یہ ہے کہ اس کے دہانے کو اُلٹا دے پھر اس سے پیئے۔

(116/5400) کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور ایک لٹکائے ہوئے مشکیزہ کے منہ سے کھڑے ہوکر پیئے پس میں کھڑی ہوگئی اور اس کے منہ کو کاٹ لی۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مشکیزے کے منہ سے پینے کی ممانعت تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے اور (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) عمل بیان جواز کے لئے ہے۔

(116/5401) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر پانی پیتے ہوئے دیکھا ہوں۔ (ترمذی)

(117/5402) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ

ہیں) اسی لئے عالمگیریہ میں ہے کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں ہے (عالمگیریہ)۔ اور اگر تم اس مقام کی مزید تفصیل اور تمام ادلہ میں مطابقت چاہتے ہو تو ردالمحتار میں کتاب الطہارت کی طرف مراجعت کرو۔

1 قولہ: فشرب وھو قائم (تو آپ کھڑے ہوئے نوش فرمائے) صاحب ردالمحتار نے کتاب السراج سے نقل کرکے کہا ہے کہ کھڑے ہوکر پینا پسند نہیں ہے سوائے ان دو موقعوں کے 1) زمزم کا پانی 2) وضو کا بچا ہوا پانی (اھ) ابن ہمام کی شرح ہدایہ میں ہے کہ اپنے وضوء کا بچا ہوا پانی قبلہ رخ کھڑے ہوکر پینا آداب میں سے ہے اور اگر وہ چاہے تو بیٹھ کر پی سکتا ہے۔

علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے کھاتے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ 1 (دارمی، ابن ماجہ)

(118/5403) ابن شہاب سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ دونوں کسی انسان کے کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (مالک)

(119/5404) امام مالک کی ایک روایت میں مخبر سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اور ہم اس کو اختیار کرتے ہیں کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں 2 اور یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے عام فقہاء کا ہے۔

(120/5405) انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے ہوکر پیئے۔ (مسلم)

(121/5407) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی شخص بھی ہرگز کھڑے ہوکر نہ پیئے پس جو کوئی بھول جائے وہ قے کردے۔ (مسلم) امام طحاوی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہ ممانعت طبی امر کی بناء پر ہے کیونکہ کھڑے ہوکر کھانے اور پینے میں آفتیں ہیں اور یہ کسی امر شرعی کی بناء پر نہیں ہے۔ اور امام شعبی سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا میں کھڑے ہوکر پینے کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ

---

1 قولہ : فسکب فی قدح ماء ثم حلب علیه الخ (اور پانی کے پیالہ میں انڈیلا پھر اس پر ایک بکری کا دودھ نچوڑا)۔ اس میں یہ بات ہے کہ گرما کی لو میں ٹھنڈا پانی طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نیز یہ کہ دودھ کو پیتے وقت پانی سے ملانا بھی جائز ہے البتہ خرید وفروخت کے وقت جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری)

اس میں بیماری ہے۔

(122/5407) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں زمزم کے پانی کا ایک ڈول لیکر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھڑے ہوئے نوش فرمائے 1 (متفق علیہ)

(123/5408) امام بخاری روایت کئے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ظہر کی نماز پڑھے اور کوفہ کے کشادہ مقام میں لوگوں کی ضرورتوں (کو سننے) کیلئے بیٹھ گئے یہاں تک کہ عصر کی نماز آ گئی۔ پانی لایا گیا تو آپ چبوترہ پر نوش فرمائے اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے اور انھوں نے ان کے سر اور دونوں پاؤں کا بھی ذکر کیا پھر آپ اُٹھے اور اپنا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لئے پھر انھوں نے کہا کہ کچھ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند کرتے ہیں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے جیسا میں نے کیا ہے۔ (بخاری)

(124/5409) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ آپ کے ایک صحابی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کیا اور اس آدمی نے جواب دیا اور وہ ایک باغ میں پانی پلٹا رہے تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارے پاس کسی مشکیزہ میں باسی پانی ہے تو لے آؤ ورنہ ہم منہ لگا کر پی لیں گے تو انھوں نے کہا میرے پاس

---

1 قوله :الايمن فالايمن ۔امام زرقانی نے کہا انس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سنت ہے یعنی تم سیدھی جانب والے کو مقدم کرو اگر چیکہ وہ مفضول ہو۔ اور اس میں ابن حزم نے کہا ہے کہ سیدھے جانب والے پر دوسرے کو اس کی اجازت کے بغیر مقدم کرنا جائز نہیں ہے (تعلیق مجد) اور فتح الباری میں جمہور کے پاس یہ مستحب ہے اور ابن حزم کے پاس واجب ہے۔

مشکیزے میں باسی پانی ہے تو وہ سائبان کی طرف گئے اور پانی کے پیالے میں انڈیلا پھر اس پر ایک گھر کی بکری کا دودھ نچوڑا 1 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو نوش کیا۔انھوں نے پھر دوبارہ دودھ نچوڑا تو آپ کے ساتھ جو صاحب تھے انھوں نے پیا۔ (بخاری)

(126/5410) ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انھوں نے کہا ہم ایک حوض کے پاس سے گزرے اور اس میں منہ لگا کر پینے لگے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: منہ لگا کر مت پیو لیکن اپنے ہاتھوں کو دھولو پھر اس میں پیو کیونکہ ہاتھ سے زیادہ پاکیزہ کوئی برتن نہیں ہے۔ (ابن ماجہ) صاحب فتح الباری نے کہا ہے کہ اس میں ممانعت تنزیہی ہے اور آپ کا عمل بیان جواز کے لئے ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ممانعت سے پہلے کا ہے ممانعت میں ایسی حالت میں ہے جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو

---

1 قولہ: ما کنت لاوثر بفضل منک احدا (میں آپ کے پس نوشیدہ پر کسی کو ترجیح نہیں دونگا) صاحب مرقات نے کہا فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ تقربات دینیہ اور اطاعت کے اُمور میں ایثار نہیں کیا جاتا۔اور ایثار تو ان چیزوں میں ہے جس میں نفس کی لذتیں ہیں۔ پس مثال کے طور پر پہلی صف کی اپنی جگہ میں دوسرے کو ترجیح دینا ایثار کرنا مکروہ ہے اور اس میں یہ ہے کہ جو شخص کسی جائز مقام پر یا کسی عالم کی یا کسی بزرگ کی مجلس میں پہلے پہنچ جائے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے اس شخص کے مقابلہ میں جو اس کے بعد آئیگا۔امام نووی نے کہا ہے کہ تقرب کے کاموں میں ایثار مکروہ ہے اور ان کاموں میں جس میں حظ نفس ہے مستحب ہے۔

2 قولہ: الذی یشرب فی انیۃ الفضۃ الخ (جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے) امام نووی نے کہا علماء کا اتفاق ہے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانا اور پینا مرد اور عورت کے لئے حرام ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے پس ان دونوں کا استعمال کھانے پینے

اور وہ عمل ضرورت کی وجہ سے ہے۔

(126/5411) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ و

اور طہارت اور ان دونوں میں سے کسی کے بھی چمچے سے کھانے اور ان کے عوددان میں عود جلانے اور برتن میں پیشاب کرنے کے لئے اور دوسری چیزوں میں بھی خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں ان دونوں کا استعمال حرام ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ ان دونوں میں کھانے کی ابتلاء پیش آئے تو ان دونوں کو کسی دوسرے برتنوں میں نکال دے اور اگر کسی چاندی کی شیشی میں تیل کی ابتلاء میں پڑ جائے تو اس کو بائیں ہاتھ میں انڈیل لے پھر اس کو سیدھے ہاتھ میں ڈال کر اس کا استعمال کرے اور سونے چاندی کے برتنوں سے گھروں دوکانوں وغیرہ کی زینت کرنا حرام ہے۔ (مرقات بحوالہ ہدایہ) اور قاضی خاں رحمہ اللہ نے کہا سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور تیل لگانا مکروہ ہے۔ اسی طرح عوددان سرمہ دانیاں، تیل دان اور اسی طرح سونے چاندی کی سلائی سے سرمہ لگانا مکروہ ہے اور عورتوں کیلئے زیوارت کے سوا سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تیل لگانا بھی مکروہ ہے اور بوڑھی عورتیں بھی ان تمام امور میں مردلوگوں کی طرح ہیں۔

اور مردلوگوں کو چاندی کی انگوٹھی، تلوار اور ہتھیار پر چاندی کا پانی چڑھانے کی اجازت ہے اس کے سوا دیگر چیزیں جو سونے، چاندی سے بنائی جاتی ہیں یا سونا و چاندی کا پانی اس پر چڑھایا گیا ہو اس کی اجازت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ صاحب جامعہ صغیر نے کہا ہے کہ مکروہ ہونے سے مراد تحریمی ہے۔

1 قولہ : لاتلبسوا الحریر ولا الدیباج . (تم ریشم مت پہنو اور موٹا ریشم بھی مت پہنو) صاحب مرقات نے کہا ہے کہ کپڑے کے کناروں سے اور جیسا کہ متعارف ہے چار

سلم کے لئے ایک پالتو بکری کا دودھ نچوڑا گیا اور اس کے دودھ کو اس کنویں کے پانی سے ملایا گیا جو انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ پیالہ دیا گیا آپ نوش فرمائے اور آپ کے بائیں جانب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدھے جانب ایک اعرابی تھے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیجئے مگر آپ اس اعرابی کو دیئے جو آپ کے سیدھے جانب تھا پھر آپ نے فرمایا پہلے سیدھے جانب والے پھر اُن کے سیدھے

انگشت ریشم کی مقدار مستثنیٰ ہے اگر اس کا بانا دوسرے کا ہو اور اس کا تانا ریشم کا ہو تو یہ جائز ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو یہ ناجائز ہے مگر جنگ میں ریشم جائز ہے اور خارش کی یا جوں کی کثرت کی وجہ سے بھی ریشم کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

1 قولہ: من شرب فی اناء ذھب او فضۃ او اناء فیہ شیئی من ذلکلخ۔ (جو شخص سونے یا چاندی کے برتن یا کسی ایسے برتن میں جس میں اس کی کوئی چیز ہو پیتا ہے)
امام ابویوسف رحمہ اللہ نے کہا کہ تخت کرسیاں اگر ان پر چاندی کا یا سونے کا پتر چڑھایا جائے تو مکروہ تحریمی ہے اسی طرح شمعدان جب وہ چاندی یا سونے کے ہوں اور اسی طرح لگام اور رکاب وغیرہ بھی چاندی یا سونے کے ہوں مکروہ ہیں۔ کیونکہ احادیث شریفہ مطلق ہیں اور دارقطنی کی روایت کردہ یہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے اور اس لئے کہ جو شخص کسی برتن کو استعمال کرے گا تو اس کا ہر حصہ استعمال کرنے والا ہوگا اور یہی بات ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چاندی کا پتر چڑھے ہوئے برتن میں پینا اور چاندی کا پتر چڑھا ہوا زین پر سوار ہونا اور چاندی کا پتر چڑھی ہوئی کرسی پر اور چاندی کے پتر چڑھے ہوئے پلنگ پر بیٹھنا بشرطیکہ چاندی کی جگہ سے اجتناب کرتا ہو تو یہ سب جائز ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ چاندی اور سونا چڑھے برتن میں اگر پیتے وقت اپنا منہ اس سے ہٹ کر لکڑی پہ رکھتا ہے اور کرسی و پلنگ میں اس کی لکڑی پر

جانب والے 1 (127/5412) اور ایک روایت میں ہے پہلے وہ لوگ جو سیدھے جانب ہیں پھر وہ جوان کی سیدھے جانب ہیں سنو تم سیدھے جانب والوں کو دیا کرو۔ (متفق علیہ)

(128/5413) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پیالہ لایا گیا تو آپ اس میں سے نوش فرمائے اور آپ کی سیدھی جانب قوم کا ایک چھوٹا لڑکا تھا اور بڑے لوگ آپ کے بائیں جانب تھے۔

سونا چاندی سے ہٹ کر بیٹھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اس کے شگاف کو چاندی کی زنجیر سے باندھا تھا۔ (بخاری)

اور امام احمدؒ کی دلیل عاصم احوال سے مروی حدیث شریف ہے۔ میں انس رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیالہ دیکھا اس میں چاندی کا موسلا تھا اور چاندی کا پانی پلانا اور اس جیسی کوئی چیز ضمنا ہوتی ہے اور ضمنی چیزوں کے اعتبار نہیں ہوتا جیسے وہ جبہ جس میں ریشم سے سیا گیا ہو اور کپڑے میں نشان اور نگوں میں سونے کے کیل کی طرح مکروہ نہیں ہے۔ امام زیلعی نے کہا مروی ہے کہ یہ مسئلہ امام جعفر دوانقی کی مجلس میں پیش کیا گیا اس مجلس میں امام ابوحنیفہؒ اور اس دور کے ائمہ موجود تھے تو ائمہ کرام نے کہا کہ یہ مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خاموش تھے تو آپ سے کہا گیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا اگر وہ اپنا منہ چاندی کے مقام پر رکھا تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ تو آپ سے کہا گیا یہ بات کہاں سے ثابت ہے تو آپ نے فرمایا آپ کیا کہتے ہیں اگر اس کی انگلی میں چاندی کی انگوٹھی ہو اور وہ اپنی ہتھیلی سے پیئے تو کیا وہ مکروہ ہے تو سارے لوگ توقف کیے اور امام ابوجعفر آپ کے اس جواب سے تعجب کیے۔ اور امام محمدؒ کا قول امام ابوحنیفہ کے ساتھ بھی مروی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ (ملخص از فتاوی قاضی خاں ورد المحتار و بنایہ و ہدایہ)

تو آپ نے فرمایا اے لڑکے کیا تو اس بات کی اجازت دیگا کہ میں یہ بڑوں کو دوں تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ کے پس نوشیدہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا 1 تو آپ نے وہ اس کو دیدیا۔ (متفق علیہ)

(129/5414) ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے 2 وہ اس کے سوا نہیں کہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ (متفق علیہ)۔(130/5415) (مسلم شریف کی ایک روایت میں ان الذی یاکل و یشرب فی انیة الفضة والذهب ہے (جو

.... : باب الاشربة ختم ہوا : ....

آدمی کھاتا ہے اور پیتا ہے چاندی کے برتنوں میں)۔

(131/5416) حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ تم ریشم مت پہنو اور موٹا ریشم بھی مت پہنو 1 سونے اور چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور اس کی رکابیوں میں مت کھاؤ کیونکہ یہ ان کے لئے دنیا میں ہیں اور وہ تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ (متفق علیہ)

(132/5417) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں یا کسی ایسے برتن میں جس میں اس میں کی کوئی چیز ہو پیتا ہے تو وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ 1 (دار قطنی)

(135/5420) **عن الزهری عن عروة عن عائشه قالت :** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ پسندیدہ مشروب وہ جو ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ (ترمذی)

(136/5421) عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے سُقیا (چشمہ) سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ اور وہ (سقیا) ایک چشمہ ہے اس کے اور مدینہ منورہ

---

1 **قوله والنبیذ** (اور نبیذ) صاحب مرقات نے کہا ہے کہ یہ نبیذ طاقت کے بڑھانے میں بڑی فائدہ مند ہے اور علامہ میرک نے کہا ہے کہ جب تک وہ میٹھا ہے اور سکر کے درجہ تک نہیں پہنچا ہے تو بالاتفاق حلال ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کل مسکر حرام، ہر نشہ آور حرام ہے۔

2 **قولها کنا ننبذ لرسول الله** ﷺ (ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نبیذ بناتے) امام نووی نے کہا ہے اس میں نبیذ بنانے کے جواز کی دلیل ہے اور یہ کہ جب تک وہ میٹھا ہو اور اس میں تغیر نہ آیا ہو اور جوش نہ آیا ہو تو اس کے پینے کے جائز ہونے کی بھی دلیل ہے اور یہ

کے درمیان دو دن کا فاصلہ ہے۔ (ابوداؤد)

(137/5422) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو کہے اللھم بارک لنا فیہ واطعمنا خیرا منہ (اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت عطا فرما اور ہم کو اس سے اچھا کھلا)۔ اور جب دودھ پلایا جائے تو کہے اللھم بارک لنا فیہ و زدنا منہ (اے اللہ تو

باتفاق امت جائز ہے۔

1 قولہ: فیشربہ اذا اصبح یومہ ذلک الخ (اس دن کی صبح میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نوش فرماتے) امام نوویؒ نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابق حدیث میں یہ قول کہ ہم اس کی صبح نبیذ بناتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو شام میں نوش فرماتے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تین دن تک نوش فرمانے کی اس حدیث شریف کے مخالف نہیں ہے کیونکہ ایک دن پینا اس سے زیادہ کے لئے مانع نہیں ہوتا اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت عائشہ کی حدیث گرما کے زمانہ کی ہو کیونکہ ایک دن سے زائد ہو جائے تو اس کے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ایسے زمانہ کی ہو جس میں تین دن سے پہلے تک تغیر سے بے خوفی رہتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شریف تھوڑی نبیذ پر محمول ہو جو اس ایک دن میں ختم کی جاسکتی ہو اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث زیادہ مقدار پر محمول ہو جو اس ایک دن میں ختم نہیں کی جاسکتی۔

2 قولہ فان بقی شیئی سقاہ الخادم اور امر بہ فصب (اگر کچھ باقی رہ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خادم کو دیتے یا اس کے متعلق حکم فرمادیتے تو وہ بہادی جاتی)۔ امام نووی نے کہا ہے تین دن کے بعد خادم کو پلانا اور اس کو بہادینا یہ اس لئے ہے کہ تین دن کے

ہمارے لئے اس میں برکت عطا فرما) کیونکہ کھانے اور پینے دونوں کیلئے کام آنے والی چیز صرف دودھ ہے۔(ترمذی، ابوداؤد)

بعد اس میں تغیر کا اندیشہ ہوجاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن کے بعد اس سے احتیاط کرتے تھے۔اور سقاہ الخادم وصبہ کا مطلب یہ ہے کہ کبھی خادم کو پلادیتے تھے اور کبھی بہادیتے تھے اور یہ اختلاف نبیذ کی حالت کے اختلاف کی وجہ سے ہے اگر اس میں کوئی تغیر اور نشہ کی ابتدائی علامتیں ظاہر نہیں ہوئی ہیں تو خادم کو پلادیتے تھے بہاتے نہیں تھے کیونکہ وہ مال ہے اس کو ضائع کرنا حرام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احتیاطا اس کا پینا چھوڑ دیتے اور اگر اس میں تغیر اور نشہ کی ابتدائی علامتیں ظاہر ہوگئی ہوتیں تو اس کو بہادینے کا حکم فرماتے کیونکہ جب وہ نشہ آور ہوگیا تو حرام ہوگیا اور نجس ہوگیا تو اس کو بہادیا جاتا اور خادم کو نہیں پلاتے کیونکہ نشہ آور چیز کو خود پینا ناجائز ہے اسی طرح خادم کو پلانا بھی ناجائز ہے اور اب رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تین دن سے پہلے تک پینا یہ اس بناء پر تھا کہ اس میں نہ کوئی تغیر آتا تھا اور نہ ہی تغیر کی ابتدائی علامتیں ظاہر ہوتیں اور نہ ہی کسی قسم کا شک ہوتا۔

1 قولہ : ان رسول اللہ ﷺ نهى عن الدباء الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدو کے خول سے منع فرمایا) یہ اسلام کے ابتدائی دور میں تھا اس اندیشہ سے کہ کہیں وہ نشہ آور ہوجائے اور اس کا پتہ نہ چلے اور جب زمانہ طویل ہوگیا اور نشہ کی حرمت معلوم ہوگئی اور اس کی حرمت کی شہرت بھی ہوگئی تو ہر برتن میں نبیذ بنانا جائز کردیا گیا۔(مرقات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

4/196 باب النقیع و الانبذۃ

نقیع اور نبیذ کا بیان

(138/5423) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں اپنے اس پیالے سے تمام پینے کی چیزیں شہد، نبیذ، پانی اور دودھ پلایا ہوں۔ 1ے (مسلم)

(139/5424) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہم مشکیزے میں نبیذ بنایا کرتے تھے 2ے اور اس کے اوپر کا حصہ

1ے قولہ: فاشربوا فی کل وعاء الخ (پس تم ہر برتن میں پیو) اسی لئے صاحب درمختار نے کہا ہے نبیذ بنانا دباء میں جائز ہے دباء جمع ہے اس کا واحد دباءۃ ہے اور اس کے معنی کدو کے ہیں حنتم، مزفت اور نقیر میں بھی جائز ہے حنتم سبز ٹھلیا ہے اور مزفت ڈانبر سے لیپ کیا ہوا برتن۔ اور نقیر وہ لکڑی ہے جس کو چھیل کر برتن بنالیا گیا ہے۔ اس بارے میں جو ممانعت آئی تھی وہ منسوخ ہوگئی ہے۔

2ے قولہ: کان ینبذ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فی تور من حجارۃ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پتھر کے برتن میں نبیذ بنائی جاتی) امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں صراحت ہے اس بات کی کہ کثیف برتنوں جیسے کدو کا خول، سبز ٹھلیا، لکڑی کا برتن وغیرہ میں نبیذ بنانے سے ممانعت منسوخ ہوگئی ہے کیونکہ پتھر کا برتن ان برتنوں

بند کر دیا جاتا تھا اور اس کو دہانہ بھی تھا ہم اس میں صبح نبیذ بناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو شام میں پیتے اور اس کو صبح میں بناتے تو آپ شام میں پیتے............(مسلم)

(140/5425) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

سے زیادہ کثیف ہے اور منع کئے جانے کا وہ زیادہ مستحق تھا۔ اور جب اس میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وصحبہ و سلم کے لئے نبیذ بنانا ثابت ہے تو یہ دلالت کرتا ہے کہ سابق حکم منسوخ ہے اور یہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ اس حدیث شریف کے موافق ہے کہ میں تم کو برتنوں سے منع کیا تھا تو تم اس میں نبیذ بنایا کرو اور ہر نشہ آور چیز سے بچو۔

1 قولہ: لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونها بغیر اسمها (میری امت میں کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اس کو اس کے نام کے سوا دوسرا نام دیں گے) تم اس بات کو جانو کہ وہ تمام چیزیں جن سے شراب کشید کی جاتی ہے وہ چار ہیں ۱) انگور ۲) کھجور ۳) کشمش ۴) اور دانے جیسے گیہوں، جو، مکئی، پھر ان سے جو پانی کشید کیا جاتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ۱) کچا ۲) پکایا ہوا۔ اور جو پکایا ہوا ہے کبھی اس حد تک پکایا جاتا ہے کہ ایک ثلث 1/3 باقی رہتا اور دو ثلث 2/3 باقی رہتا ہے اور کبھی نصف 1/2 رہ جاتا ہے۔

اور جو مشروبات حرام ہیں وہ چار ہیں اور حلال بھی چار ہیں (درر، درمختار) پس وہ چار مشروبات جو حلال ہیں جب اس میں جوش آجائے اور وہ تیز ہو جائے (جھاگ آجائے) بیشک اس میں کی وہ تھوڑی مقدار جو نشہ آور نہیں ہے حلال ہے جب کہ وہ عبادت کے لئے قوت حاصل کرنے کیلئے ہو۔ اور اگر نفسانی خواہش کے لئے ہو تو حرام ہے اور کثیر مقدار جو مسکر ہوتی ہے حرام ہے۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف کا بھی قول ہے۔ لیکن امام شافعی، امام احمد، امام مالک اور امام محمد بن حسن رحمھم اللہ کا مذہب یہ

علیہ وآلہ وسلم کیلئے رات کے ابتداء میں نبیذ بنائی جاتی اور اس دن کی صبح اور وہ رات جو اس کے بعد آتی ہے اور دوسرا دن اور دوسری رات اور اس کے بعد کا دن عصر تک آپ اس کو نوش ہے کہ جو مائع اور مسکر ہے اس کی تھوڑی اور زیادہ مقدار سب حرام ہے خواہ وہ نشہ لائے یا نشہ نہ لائے اور ہمارے ارباب فتوی نے امام محمد بن حسن کے قول پر فتوی دیا ہے۔ پس وہ چار اشربہ سے مراد جو شیخین کے پاس حلال ہیں وہ جب کہ اس میں جوش آئے اور وہ تیز ہو جائیں ورنہ وہ حرام نہیں ہیں ورنہ دوسرے اشربہ کی طرح وہ بھی بالاتفاق حرام نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف اس حدیث شریف میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ آپ ؐ نے خمر کو کوئی دوسرا نام نہیں دیا ہے آپ ؐ جو فرماتے ہیں وہ ابن مسعود، وکیع، سفیان ثوری اور اوزاعی وغیرہ کے قول کے مطابق ہے اور اس کی تفصیل دلائل کے ساتھ "باب بیان الخمر و وعید شاربھا" میں گزر چکی ہے اور اگر چاہتے ہو تو اس کی طرف مراجعت کرو۔ بلکہ اس حدیث شریف میں مراد وہ ہے جس کو لوگ اس کے نام سے ہٹ کر خمر نام دیتے ہیں جیسے مشروب مفرح، عرق النشاط اور شراب الصالحین ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں ہے حالانکہ وہ اس میں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ہر مسکر (نشہ آور) حرام ہے۔ پس مدار اس پر ہے کہ مسکر حرام ہے اس کا کوئی بھی دوسرا نام دینا فائدہ نہیں دیگا۔

.... : نقیع اور نبیذ کا بیان ختم ہوا : ....

فرماتے 1 اور اگر کچھ باقی رہ جاتی تو آپ خادم کو پلادیتے یا اس کے متعلق حکم فرماتے تو وہ بہادی جاتی۔ 2 (مسلم)

(141/5426) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدو کے خول اور سبز روغنی برتن اور ڈانبری روغن کے برتن اور لکڑی میں کھودے ہوئے برتن سے منع فرمایا 1 اور حکم فرمایا کہ چمڑے کی مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ (مسلم)

(142/5427) امام بخاریؒ کی ایک روایت میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہری ٹھلیا کی نبیذ سے منع فرمایا ہے تو میں نے کہا کیا ہم سفید میں پئیں تو انھوں نے کہا نہیں۔ (بخاری)

(143/5428) بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و

---

1 قولہ فکفوا صبیانکم الخ (تو تم اپنے بچوں کو روک لو) صاحب مسوی نے کہا اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ (انتھی)

اور صاحب مرقات نے کہا: قرطبی کا کہنا ہے کہ اس باب کے تمام احکام مصلحت کی طرف رہنمائی کی قبیل سے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ استحباب کیلئے ہوں خاص طور پر اس شخص کے حق میں جو حکم کو بجالانے کی نیت رکھے اور دروازے بند کرنا رات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان تمام باتوں کی اصل شیطان کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ وہی چوہے کو جلانے پر ابھارتا ہے۔

2 قولہ واذکروا اسم اللہ (اور تم اللہ کا نام لو) امام نووی کہتے ہیں اس میں بھلائی کی اور جامع آداب کی کل قسموں کا بیان ہے۔ دنیوی اور اخروی آفات سے سلامت رہنے کے لئے ہر حرکت اور سکون میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا ان سب کا جامع ہے۔ (مرقات)

سلم نے فرمایا میں تم کو برتنوں سے منع کیا تھا تو برتن کسی چیز کو حلال کرتے ہیں نہ اس کو حرام کرتے ہیں اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (مسلم)

(144/5429) امام مسلم کی ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو مشروبات سے منع کیا تھا سوائے اس کے کہ چمڑے کے برتنوں میں ہو ۔پس تم ہر برتن میں پیو 1 مگر نشہ آور کو مت پیو۔ (مسلم)

ملاعلی قاریؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث عجیب احادیث میں سے ہے اس بناء پر کہ اس میں ناسخ ومنسوخ دونوں جمع ہیں۔

(145/5430) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مشکیزہ میں نبیذ بنائی جاتی تھی جب وہ مشکیزہ نہیں پاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پتھر کے برتن میں نبیذ بنائی جاتی۔ 2 (مسلم)

(146/5431) ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں کچھ لوگ شراب پئیں گے 1 اوراس کو اس کے نام کے سوا دوسرا نام رکھیں گے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

---

1 قولہ فان الفویسقة ربما اجترت الفتیلة فاحرقت اهل البیت (کیونکہ چوہا بسا اوقات بتی کو کھینچ لاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے) امام نووی نے کہا: یہ عام ہے جس میں چراغ وغیرہ داخل ہے اوراب رہا لٹکی ہوئی قندیلیں تو اگر ان کی وجہ سے آگ کا اندیشہ ہو تو وہ اس میں داخل ہیں ورنہ علت کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

5/197 باب تغطية الأواني وغيرها

برتنوں کو ڈھانکنے وغیرہ کا بیان

(147/5432) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب رات آجائے یا تم شام کرو تو تم اپنے بچوں کو روک لو۔ 1 کیونکہ شیطان اس وقت پھیل جاتا ہیں۔ پس جب رات کا کچھ حصہ گذر جائے تو تم ان کو چھوڑ و اور دروازے بند کر دو اور اللہ کا نام لو 2 کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا اور اپنے مشکیزوں کو باندھ دو اور اللہ تعالیٰ کا نام لو اور تم اپنے برتنوں کو ڈھانک دو اور اللہ کا نام لو اگرچیکہ اس پر کوئی چیز آڑی رکھ کر ہی کیوں نہ ہو اور اپنے چراغوں کو بجھا دو۔ (متفق علیہ)

(148/5433) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تم شام کے وقت برتنوں کو ڈھانکو اور مشکیزوں کو باندھو اور دروازوں کو بند کرو اور اپنے بچوں کو ایک جگہ کرلو کیونکہ اس وقت جنات کا پھیلنا اور اچک لینا ہوتا ہے اور تم سوتے وقت چراغوں کو بجھادو کیونکہ 1 چوہا بسا اوقات بتی کو کھینچ لاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔

(149/5443) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: برتن کو ڈھانکو اور مشکیزے کو باندھو اور دروازے بند کرو اور چراغوں کو بجھادو کیونکہ شیطان مشکیزہ کو نہیں کھولتا اور دروازے نہیں کھولتا اور برتن کے ڈھکن کو نہیں ہٹاتا۔

پس اگر تم میں سے کوئی اس کے سوا نہ پائے کہ وہ اپنے برتن پر ایک لکڑی آڑی رکھ دے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے تو چاہئے کہ وہ ایسا کرے کیونکہ چوہا گھر والوں پر ان کے گھر کو

جلا دیتا ہے۔

(150/5435)اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب سورج غروب ہوجائے تو مویشیوں اور بچوں کو مت چھوڑو یہاں تک کہ عشاء کے وقت کی تاریکی چلی جائے کیونکہ شیطان جب سورج غروب ہوجائے تو اپنی فوج کو بھیجتا ہے، یہاں تک کہ عشاء کی تاریکی چلی جائے۔

(151/5436)اور مسلم کی ایک روایت میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم برتن کو ڈھانکو اور مشکیزہ کو باندھو کیونکہ سال میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جس میں وباء نازل ہوتی ہے۔ جب وہ کسی ایسے برتن کے پاس سے گذرتی ہے جس پر کوئی ڈھکن نہ ہو یا ایسے مشکیزہ کے پاس سے جس پر کوئی بندھن نہ ہو تو ضرور اس میں اس وباء کا اثر آجاتا ہے۔

(152/5437)اور انہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم رات میں کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کی آواز کو سنو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہو کیونکہ یہ وہ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ اور جب پیر چلنے سے رک جائیں تو تم باہر نکلنا کم کردو کیونکہ اللہ بزرگ و برتر اس کی رات میں اپنی مخلوق میں سے جو چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے اور تم دروازے بند کرو اور اس پر اللہ کا نام لو کیونکہ شیطان کسی ایسے دروازے کو نہیں کھولتا جب اس کو اللہ کا نام لے کر بند کیا جائے اور تم گھڑوں کو ڈھانکو اور برتنوں کو اوندھا کردو اور مشکیزوں کو باندھ دو۔ (شرح السنہ)

امام احمد، اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد، اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں انہی سے ایسا ہی روایت کیا۔

(153/5438) انہی سے روایت ہے: انھوں نے کہا: انصار میں کے ابوحمید نامی

ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مقام نقیع سے دودھ کا ایک برتن لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے ڈھانکا کیوں نہیں اگرچیکہ تم اس پر ایک لکڑی آڑی ہی رکھ دیتے۔ (متفق علیہ)

(154/5439) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں آگ مت چھوڑو جس وقت تم سوتے ہو۔ (متفق علیہ)

(155/5440) ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: مدینہ منورہ میں ایک مکان رات کے وقت اس میں رہنے والوں پر جل گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے بارے میں ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک یہ آگ اس کے سوا نہیں کہ تمہاری دشمن ہے پس جب تم سوجاؤ تو تم اس کو اپنے پاس سے بجھادو۔ (متفق علیہ)

(156/5441) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک چوہا بتی کھینچ لایا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس چٹائی پر ڈالدیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ پس اس کا ایک درہم کے مقدار حصہ جل گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم سوجاؤ تو اپنے چراغوں کو بجھادو کیونکہ شیطان اس کام پر اس جیسے موذی جانور کی رہنمائی کرتا ہے چنانچہ وہ تمہیں جلادیتا ہے۔ (ابوداؤد)

---

1 قولہ : کان احب الثیاب الی النبی ﷺ ان یلبسھا ۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں میں سے حبرۃ (دھاری دار یمنی چادر) پہننا زیادہ پسند تھا) امام جزری نے کہا ہے کہ اس میں حبرہ پہننا مستحب ہونے کی اور دھاری دار کپڑا پہننے کے جواز کی دلیل ہے اور امام میرک نے کہا ہے کہ اسی پر اتفاق ہے۔ (مرقات، نووی)

:............ برتنوں کوڈھانکنے کا بیان ختم ہوا :............

1 قبض روح رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم فى هذين (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح اقدس ان دو (کپڑوں میں قبض کی گئی) امام نووی نے کہا ہے کہ اس جیسی احادیث شریفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زہداور دنیا کے سامان اوراس کی لذتوں سے اجتناب کا بیان ہے۔ اس امت پر واجب ہے کہ آپ کی اقتداء کریں اور آپ کی ساری مبارک زندگی میں آپ کے نشان قدم پر چلتے رہیں۔ (مرقات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

21 كتاب اللباس

لباس کے مضامین

وقول الله عزوجل : يا بنى آدم الخ (اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسالباس مہیا کیا جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے اور (جو باعث) زینت بھی ہے اور جو پرہیزگاری کا لباس

---

1 قوله : مستوى الكمين بأطراف اصابعه (دونوں آستین آپ کے انگلیوں کے کناروں کے برابر ہوتیں) صاحب ردمختار نے کہا ہے کہ تم اس بات کو جانو کے کپڑا پہننا ایک تو فرض ہے وہ اس قدر جو شرم کے حصہ کو چھپائے اور گرمی اور سردی کو دفع کر سکے اور بہتر ہے کہ وہ روئی کا یا کتان کا یا اون کا ہو، سنت کے مواقف اس طرح کہ اس کا دامن نصف پنڈلی تک ہو اور اس کی آستین انگلیوں کے کناروں تک ہو اور اس کا منہ ایک بالشت ہو۔ اور مرقات الصعود میں ہے کلائی تک کی حدیث اس قمیص کے ساتھ مخصوص ہے جس کو آپ سفر میں پہنا کرتے تھے اور حضر میں روئی کی قمیص پہنتے تھے جس کے دونوں آستین انگلیوں تک ہوتے تھے۔ امام بیہقی کی شعب الایمان میں روایت کردہ حدیث میں ایسا ہی ہے اور اس میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ سے روایت ہے کہ آپ قمیص کی آستین کو دراز رکھتے یہاں تک کہ انگلیوں تک پہنچ جاتی اور جو اس سے زائد ہو جاتی تو اس کو کاٹ دیتے تھے۔

2 قوله : كان كمام اصحاب رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم بُطحا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں گول چوڑی ہوتی تھیں) کِمام کاف کو

ہے وہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے)۔

وقوله تعالیٰ: قل من حرم الخ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) پوچھئے کہ جو زینت (کے سامان) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا؟)

(1/5442) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں میں سے حبرۃ (دھاری دار یمنی چادر) کو پہننا زیادہ پسند تھا 1۔ (بخاری، مسلم)

زیر کے ساتھ کُمہ کاف کو پیش کی جمع ہے جیسے قباب قبہ کی جمع ہے وہ گول ٹوپی ہے چونکہ وہ سر کو چھپاتی ہے اس لئے اس کا نام کمہ رکھا گیا ہے۔اور بطحاب کو پیش اور ط کو جزم کے ساتھ بطحاء کی جمع ہے یعنی وہ ٹوپی سر پر پھیلی ہوئی اور چمٹی ہوئی ہوتی تھی اٹھی ہوئی اونچی نہیں ہوتی تھی۔امام طیبی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ٹوپی کا کھڑا رہنا سنت نہیں ہے۔ابن عساکر سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ میں کانوں والی ٹوپی پہنتے تھے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ کم (ضمہ کے ساتھ آستیں) کی جمع ہے اس وقت بطحا کے معنی یہ ہیں کہ آستین چوڑی اور کشادہ تھی اور یہ ابطح کی جمع ہے جیسا کہ عرب کشادہ زمین کیلئے کہتے ہیں،اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تنگ نہیں تھی خواہ وہ رومی ہو یا ہندی بلکہ اس کی وسعت ایک بالشت کی تھی (ماخوذ از مرقات) اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے قلانس (اونچی ٹوپیاں) پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونچی ٹوپی بھی پہنتے تھے۔(وجیز للکردری)۔

1 قوله : اذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه (جب عمامہ باندھتے تو اپنے شملہ کو اپنے دونوں شانوں کے درمیان چھوڑتے تھے) فتاوی عالمگیریہ میں ہے عمامہ کا کنارہ دونوں کندھوں کے درمیان نصف پشت تک چھوڑنا مستحب ہے۔(کنز) عمامہ کے کنارہ کی

(2/5443) ان ہی سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھے آپ اسامہ پر ٹیک لگا کر باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قطری کپڑا تھا اس کو آپ لپیٹے ہوئے تھے اور آپ نماز پڑھائے ۔(شرح السنۃ)

(3/5444) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دو موٹے قطری کپڑے تھے اور آپ جب بیٹھتے تو آپ پر بوجھ کی وجہ پسینہ آجاتا ۔ملک شام سے فلاں یہودی کا کچھ کپڑا آیا تو میں نے عرض کیا اگر آپ اس کے پاس کسی کو بھیجتے اور اس سے دو کپڑے سہولت حاصل ہونے تک کیلئے خرید لیتے ،تو آپ اس کے پاس بھیجے تو اس نے کہا میں جانتا ہوں آپ کیا چاہتے ہیں آپ میرا مال لے لینا چاہتے ہیں ۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ جھوٹ بولا وہ خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ میں سب

مناسب مقدار کے بارے میں اختلاف ہے ۔بعض علماء نے اس کی مقدار ایک بالشت مقرر کی ہے اور بعض نے پیٹھ کے درمیان تک بتایا ہے اور بعض نے بیٹھنے کے مقام تک قرار دیا ہے ۔(ذخیرہ ،اور دیگر کتب حنفیہ)

1 قولہ : وانہ لمطلق الازرار (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنڈیاں کھلے رکھے تھے)مولانا محمد یحیی مرحوم نے اپنے شیخ کی تقریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گنڈیوں کو کھلا رکھنا کسی خاص وجہ سے تھا آپ اپنے اکثر حالات میں اس طرح گنڈیوں کو کھلا نہیں رکھتے تھے ۔(بذل المجھود)

2 قولہ : لبس جبۃ رومیۃ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رومی جبہ زیب تن فرمائے ہیں)لفظ جبہ جیم کو پیش اور با کو تشدید کے ساتھ ہے ایسے دوہرے کپڑے کو کہتے ہیں جن کے درمیان میں روئی بھری ہوئی ہوتی ہے ۔مگر وہ اون کا ہو تو اکہرا ہوتا ہے اس میں روئی بھری ہوئی نہیں ہوتی ۔اس حدیث شریف کے منجملہ فوائد کے یہ ہے کہ اون کا پہننا جائز ہے ۔اور

لوگوں میں زیادہ پرہیزگار اور امانت کو سب سے زیادہ ادا کرنے ولا ہوں۔ (ترمذی، نسائی)

امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو پہننا ایسے شخص کیلئے مکروہ قرار دیا ہے جس کو اس کے سوا دوسرا کپڑا میسر ہو کیونکہ اس میں اپنے زہد کی شہرت ونمائش ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ اپنے عمل کو پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ تواضع اون کے پہننے میں ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس روئی وغیرہ میں بھی ہے جو غیر قیمتی ہے۔ میں کہتا ہوں امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو شہرت کے کپڑوں سے منع فرمایا ہے باریک اور موٹے کپڑے، نرم اور کھردے کپڑے، دراز اور مختصر کپڑے، اور لیکن بہتر اور میانہ روی تو ان کے درمیانی لباس میں ہے۔ صوفیہ نقشبندیہ کے پاس یہی چیز مختار و پسندیدہ ہے۔ لیکن صوفیہ کی اکثر جماعتیں اون پہننے کو اختیار کی ہیں اور نرم اور خوش منظر کپڑے حظ نفس کیلئے ہیں اس کو وہ نہیں پہنتے تھے وہ تو لباس کو صرف ستر عورت اور گرمی و سردی کو دفع کرنے کیلئے پہنتے ہیں چنانچہ وہ کھردرے اور موٹے اون کا لباس پہنتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فضالہ بن عبید نے اصحاب صفہ کا بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کا لباس اون کا تھا یہاں تک کہ بارش ہو جاتی اور ان میں سے بعض کے پاس سے پسینہ نکلتا تو بھیڑ کی بو پائی جاتی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے کتاب ''درر'' میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے جب آدم وحواء علیہما السلام کو جنت سے زمین کی طرف اتارا گیا تھا تو وہ سب سے پہلے ہیں جنھوں نے اون پہنا تھا (ماخوذ از مرقات) اور صاحب ردالمحتار نے کہا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ لباس روئی کا ہو یا کتان کا یا اون کا ہو۔

3 قولہ : ضیقة الکمین (آستین تنگ تھے) صاحب تعلیق مجد نے کہا ہے کہ اس حدیث شریف میں تنگ لباس پہننے کا جواز معلوم ہوتا ہے بلکہ جنگ میں یہ لباس مستحب ہونا

(4/5445) ان ہی سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک کالی چادر تیار کی گئی آپ نے اس کو پہنا جب اس میں آپ کو پسینہ آیا تو آپ نے اون کی بو محسوس کی تو اس کو نکال دیئے۔ (ابوداؤد)

(5/5446) ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے ہمارے سامنے ایک پیوند والی کمبل اور ایک موٹی تہبند نکالی اور فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس ان دو (کپڑوں) میں قبض کی گئی 1 (متفق علیہ)

چاہئے کیونکہ اس میں جنگ کی تیاری بھی ہے اور سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کی پیروی بھی ہے اور اس کو حضر میں پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (تعلیق مجد، تنسیق نظام)

1 قولہ و فراش لامرأته (ایک بستر اپنی عورت کیلئے) امام نوی نے کہا ہے کہ شوہر اور بیوی کیلئے الگ الگ بستر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ بیماری وغیرہ کے زمانے میں ہر ایک کیلئے علحدہ علحدہ بستر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ مرد کیلئے عورت کے ساتھ سونا لازم نہیں ہے اور مرد کیلئے بیوی سے ہٹ کر علحدہ بستر ہونا چاہئے۔ لیکن اس سے اس طرح کا استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث میں علحدہ بستر سے مراد بیماری وغیرہ کی وجہ سے بوقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، کیونکہ بیوی کے ساتھ سونا اگرچیکہ واجب نہیں ہے لیکن دوسری دلیل سے یہ بات معلوم ہے کہ جب کوئی عذر نہ ہو تو بیوی کے ساتھ سونا افضل ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل مبارک سے ظاہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل تہجد کی پابندی کے ساتھ بپابندی زوجہ مطہرہ کے ساتھ استراحت فرماتے تھے۔ اور جب قیام اللیل کا ارادہ فرمالیتے تو اُٹھ جاتے اور زوجۂ مطہرہ سے علحدہ ہوجاتے اس طرح آپ بیوی کے ساتھ اچھی زندگی گزارنے اور نیک سلوک

(6/5447) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ قمیص ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(7/5448) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹخنوں سے اوپر قمیص پہنتے تھے جس کی دونوں آستین آپ کے انگلیوں کے کناروں کے برابر ہوتیں 1 (ابن حبان) اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ صاحب جامع صغیر نے ان ہی سے ابن ماجہ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

کرنے کا جو حق ہے اس کو ادا کرتے تھے اور خاص طور پر اس وقت جب کہ آپ کو بیوی کی خواہش معلوم ہوتی اور بیوی کے ساتھ سونے سے جماع فرمانا لازم نہیں آتا۔

1 قولہ کان و ساد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الخ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکیہ) امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث شریف سے بستر اور تکیہ کو اختیار کرنے اس پر سونے اور اس سے آرام لینے کا جواز ظاہر ہے میں کہتا ہوں کہ اس سے واضح بات یہ کہا جائے کہ اس میں ان کو اختیار کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے اور اس لئے کہ اس میں زیادہ کمال درجہ کا آرام ہے جو نیند سے مقصود ہے تاکہ عبادت میں نشاط کے ساتھ کھڑے رہ سکیں۔ (مرقات)

2 قولہ: متقنعاً (سر ڈھانکے ہوئے) صاحب عمدۃ القاری نے کہا اس کے معنی سر کو اور چہرہ کے اکثر حصہ کو چادر وغیرہ سے ڈھانکنا ہے اور صاحب اشعۃ اللمعات نے کہا ہے کہ "تقنع" کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء کے مذہب میں یہ مکروہ ہے اور بعض علماء کے پاس مرد کیلئے بوقت ضرورت جائزہ ہے اور جمہور کے پاس تقنع مطلقاً جائز ہے اور ان حضرات نے اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے اور بزرگ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عمل سے استدلال کیا ہے۔

(8/5449) ابو کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں گول چوڑی ہوتی تھیں۔ 2 (ترمذی)

(9/5450) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اپنے شملہ کو اپنے دونوں شانوں کے درمیان چھوڑتے تھے۔ 1 (ترمذی)

(10/5451) عبادہ رضی للہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم عمامہ کو اختیار کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے اور اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے لٹکاؤ۔ (شعب الایمان للبیہقی)

---

1 قولہ من جر ثوبہ خیلاء ...... الخ (جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیگا) فتاوی عالمگیریہ میں ہے " اسبال الازار والقمیص بدعۃ "۔ تہبند اور قمیص کو لٹکانا بدعت ہے۔ مناسب ہے کہ تہبند ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک ہو یہ مرد لوگوں کے لئے ہے اب رہا عورتوں کیلئے تو وہ مردوں کے تہبند سے اس قدر نیچے تک لٹکائیں گے کہ وہ ان کے قدموں کی پشت کو چھپادے اور مردوں کا اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے تک لٹکانا جب کہ اس میں تکبر نہ ہو مکروہ تنزیہی ہے۔ (غرائب)

اور صاحب بذل المجہود نے کہا ہے کہ علماء نے بتایا کہ تہبند اور کپڑے کو نصف پنڈلی تک رکھنا مستحب ہے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک چھوڑنا بغیر کراہت کے جائز ہے اور ٹخنوں سے نیچے تک اس کا لٹکانا منع ہے اور اگر تکبر کی وجہ سے ہے تو وہ مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اور صاحب ردالمحتار نے کہا کہ مردوں کیلئے پائجامے جو قدم کی پشت تک لٹکتے ہوئے مکروہ ہیں۔ (عنایہ)

(11/5452) رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں۔ (ترمذی)

(12/5453) معاویہ بن قرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی جماعت میں حاضر ہوا پس وہ سب آپ سے بیعت کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنڈیاں کھلی رکھے تھے 1 تو میں اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں ڈالدیا تو مہر نبوت کو چھولیا۔ (ابوداؤد)

(13/5454) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رومی جبہ 2 زیب تن فرمائے ہیں جس کے دونوں آستین تنگ تھیں۔ 3 (متفق علیہ)

(14/5455) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرماتے تھے چمڑے کا تھا اس میں چھال بھری ہوئی تھی۔ (متفق علیہ)

(15/5456) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ایک بستر مرد کیلئے ایک بستر اپنی بیوی کیلئے 1 تیسرا مہمان کیلئے ہوتا ہے اور چوتھا شیطان کے لئے ہوگا۔

(16/5457) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکیہ جس پر آپ ٹیک لگاتے 1 تھے چمڑے کا تھا اور اس میں چھال بھری ہوئی تھی۔ (مسلم)

(17/5458) ان ہی سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اس اثناء میں کہ ہم ہمارے گھر میں دوپہر کی گرمی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی کہنے والے نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں سر ڈھانکے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔ 2 (بخاری)

(18/5459) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹے گا 1 تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیگا۔ (متفق علیہ)

(19/5460) ان ہی سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیگا۔ تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا تہبند لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کا خیال رکھوں تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر سے اس طرح کرتے ہیں۔ (بخاری)

(20/5461) سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قمیص تہبند اور شملے میں اسبال ہوتا ہے ان میں کسی کو کچھ بھی تکبر کیلئے زیادہ نیچے چھوڑیگا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(21/5462) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس آدمی کی طرف نہیں دیکھے گا جو اپنی تہبند کو فخر سے گھسیٹے گا۔ (متفق علیہ)

(22/5463) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں رسول

---

1 قولہ و امر امرأتک أن تجعل تحتھا ثوباً لا یصفھا (اپنی بیوی کو حکم دو اس کے نیچے ایک استر لگائے جو اس کو ظاہر نہ کرسکے) صاحب نفع المفتی والسائل نے کہا ''الاستفسار'' کیا عورت کیلئے باریک کپڑے پہننا جائز ہے ''الاستبشار'' جائز نہیں کیونکہ اس میں ستر عورت نہیں ہوتا۔ (السراج المنیر)

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہوں، مومن کا تہبند اس کی پنڈلیوں کے نصف تک ہے۔ اور اس پر اس کے اور ٹخنوں کے درمیان میں کوئی گناہ نہیں اور جو اس سے نیچے ہوتو وہ دوزخ میں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس آدمی کو نہیں دیکھے گا جو اپنا تہبند فخر سے گھسیٹے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

(23/5464) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرا اور میرا تہبند نیچے تک لٹکا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ اپنے تہبند کو اونچا کرو میں اس کو اونچا کرلیا پھر فرمائے اور زیادہ کرلو تو میں اور زیادہ کرلیا۔ پس میں ہمیشہ اس کے بعد سے اس کا خیال رکھتا ہوں کچھ لوگوں نے کہا کہاں تک ہو، تو آپ نے کہا پنڈلیوں کے نصف تک۔ (مسلم)

(24/5465) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو تہبند ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ میں ہے۔ (بخاری)

(25/5466) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس اثناء میں کہ ایک آدمی تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہوئے چل رہا تھا اس کو دھنسا دیا گیا پس وہ قیامت تک دھنستا جارہا ہے۔ (بخاری)

(26/5467) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

1 **قولہ نھی رسول اللہ ﷺ أن یأکل الرجل بشمالہ** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے)...... الخ امام نووی نے کہا کہ اب رہا احادیث شریفہ کی فقہ تو ان میں تین مسائل ہیں:

1) ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا چاہیے ہر اس کام کو جس میں بزرگی اور زینت اور ستھرائی وغیرہ ہے جیسے چپل، موزے، جوتے، پائجامے اور آستین پہننا

سے جب تہبند کا ذکر آیا تو عرض کیں، عورت یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا: ایک بالشت لٹکائے تو عرض کیں تب تو وہ کھل جائیگا۔ تو آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ، اور اس پر اضافہ نہ کرے۔

اور حلق کرنا، کنگھی کرنا، مونچھ کترنا، بغل کے بال نکالنا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن تراشنا، وضو، غسل اور تیمم کرنا اور مسجد میں داخل ہونا اور بیت الخلاء سے نکلنا، صدقہ وغیرہ دینا جو اچھی قسم کی چیزیں ہیں اور اچھی چیزوں وغیرہ کو لینا، یہ سب سیدھے ہاتھ سے ہوں۔

2) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ سے شروع کرنا مستحب ہے ان تمام چیزوں میں جو پہلے مسئلہ میں بیان کردہ چیزوں کی ضد ہے، مثلاً چپل، موزے، جوتے، پائجامے اور آستین نکالنا اور مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء میں جانا، استنجاء کرنا، استنجاء کے لئے ڈھیلے استعمال کرنا شرمگاہ کو چھونا، رینٹ نکالنا، ناک صاف کرنا ناپسندہ چیزوں کا لینا دینا۔

3) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکروہ ہے ایک چپل یا ایک موزہ اور ایک جوتے میں چلنا، مگر کسی عذر کی وجہ سے، امام مسلم کی تخریج کردہ یہ احادیث اس کی دلیل ہیں علماء نے کہا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں شکل بگڑتی ہے اور یہ مُثلہ ہے اور وقار کے خلاف بھی ہے، اور اس لئے کہ چپل والا پاؤں دوسرے پاؤں سے اونچا رہیگا تو چلنے میں بھی دشواری ہوگی، اور بعض دفعہ ٹھوکر کھانے کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔ اور یہ تینوں قسم کے آداب جو ان تین مسائل میں بیان کئے گئے ہیں ان کے مستحب ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور واجب نہیں ہیں، اب رہا اشتمال الصماء (مد کے ساتھ یعنی الف کے بعد ہمزہ ہے) امام اصمعی نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کپڑے میں لپٹ جائے یہاں تک اس طرح کہ جسم کو ایسا لپیٹ لے کہ اس سے کوئی بازو اٹھا نہ سکے اور اس میں ایسی کوئی صورت نہ رہے جس سے اپنا ہاتھ نکال سکے۔ اور اکثر اہل لغت یہی بات بیان کرتے ہیں۔ امام ابن قتیبہ نے کہا کہ اس کا نام صماء اس لئے ہے کہ اس طرح کپڑے میں لپٹ جانے سے ایک سخت چٹان کی طرح جس میں کوئی

(مالک، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(27/5468) اور ترمذی اور نسائی کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے

سوراخ اور شگاف نہیں ہوتا سارے راستے بند ہوجاتے ہیں۔ ابوعبید نے کہا البتہ فقہاء کرام کہتے ہیں کہ اشتمال الصماء سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑے کو جبکہ اس کے جسم پر اس کے سوا دوسرا کپڑا نہ ہو اس طرح لپٹ لے کہ اس کے دو کناروں میں سے ایک کنارہ اپنے ایک کندھے پر ڈال لے۔ علماء نے کہا ہے کہ اہل لغت کے تفسیر کی بناء پر مذکورہ اشتمال صماء مکروہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں اگر کیڑے مکوڑوں کو یا اسی طرح کسی موذی چیز کو دفع کرنا ہو تو دشوار یا مشکل ہوجائیگا اور آدمی کو ضرر لاحق ہوگا۔

اور فقہاء کی تفسیر کی بناء پر مذکورہ اشتمال سے اگر شرم کا کوئی حصہ کھل جاتا ہے تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے۔

اب رہا احتباء (مد کے ساتھ یعنی الف کے بعد ہمزہ ہے) تو وہ یہ ہے کہ آدمی سرین پر بیٹھ کر اپنے دونوں پنڈلیوں کو کھڑے کرے اور ان پر کپڑے وغیرہ سے یا اپنے ہاتھوں سے حلقہ بنائے اور اس بیٹھک کو حبوہ کہتے ہیں۔ حبوہ 'ح' کو پیش اور 'زیر' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اسطرح کی بیٹھک عرب کی اپنے مجلسوں میں عادت تھی۔ پس اگر اس میں شرم کا کوئی حصہ کھل جاتا ہے تو یہ حرام ہے اور صاحب مرقات نے کہا کہ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اشتمال الصماء نماز میں مکروہ ہے۔ اور اشتمال الصماء سے مراد یہ ہے کہ آدمی ایک کپڑے کو اپنے سر پر اور جسم پر اس طرح لپیٹے کہ اپنے ہاتھوں کیلئے کوئی راستہ نہ رہے۔ اور کیا اس میں تہبند کا نہ ہونا بھی شرط ہے؟ تو امام محمد نے کہا ہے کہ تہبند کا نہ ہونا شرط ہے اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ تہبند کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اس سے شرم کا حصہ کھلنا متحقق ہے تو

وہ عرض کیں تب تو ان کے قدم کھل جائیں گے تو آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ تک لٹکائیں اس پر زیادہ نہ کریں۔ (نسائی، ترمذی)

(28/5469) دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قبطی کپڑے لائے گئے تو آپ نے اس میں سے مجھ کو ایک قبطی کپڑا عطا فرمایا اور فرمایا: اس کو دو حصوں میں چاک کرو اور ان میں سے ایک سے قمیص کاٹ لو اور دوسرا اپنی بیوی کو دیدو وہ اس کی اوڑھنی بنالیگی پس جب وہ پلٹے پھیرے تو آپ نے فرمایا: اپنی بیوی کو

یہ حرام ہے اور شرم کے حصہ کے کھل جانے کا احتمال ہے تو یہ مکروہ ہے۔ اب رہا احتباء کی ممانعت تو وہ بھی شرم کے حصہ کے کھل جانے کی قید کے ساتھ ہے ورنہ وہ جائز ہے بلکہ غیر نماز کی حالت میں مستحب ہے۔

1 قولہ انما یلبس الحریر فی الدنیا من لا خلاق لہ فی الآخرۃ .(اس کے سوا نہیں کہ دنیا میں ریشم وہی آدمی پہنتا ہے جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے) صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ مرد لوگوں کیلئے ریشم کا پہننا حلال نہیں ہے۔ اور عورتوں کیلئے وہ حلال ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس کو وہی آدمی پہنتا ہے جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور یہ عورتوں کیلئے ایک دوسری حدیث کی بناء پر حلال ہوا ہے اور اس حدیث کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے، ان میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے دو ہاتھوں میں سے ایک میں ریشم تھا اور دوسرے میں سونا تھا اور فرمائے یہ دونوں کو میری امت کے مرد لوگوں پر حرام کردیا گیا اور ان کی عورتوں کیلئے حلال کیا گیا ہے اور ایک روایت میں حلال کے بجائے حل کا لفظ مروی ہے۔

حکم دو، اس کے نیچے ایک کپڑا لگائے جو اس کو ظاہر نہ کرسکے 1 ۔ (ابوداؤد)

(29/5470) علقمہ ابن ابی علقمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کے پاس آئیں ان پر باریک اوڑھنی تھی تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو پھاڑ دیا اور موٹی اوڑھنی ان کو اُڑھادیں۔ (مالک)

(30/5471) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ان پر باریک کپڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے رخ انور پھیرلیا اور فرمایا: اے اسماء عورت جب حیض کی حالت کو پہنچ جاتی ہے تو اس کیلئے کسی چیز کا دکھائی دینا درست نہیں مگر یہ اور یہ، اور آپ اشارہ فرمائے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف۔ (ابوداؤد)

(31/5472) عبدالواحد بن ایمن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا اس وقت ان پر قطری قمیص تھی جس کی قیمت پانچ درہم تھی تو وہ فرمائیں میری باندی کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو کہ وہ اس کو گھر میں پہننے سے بھی رکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس کی میرے پاس ایک قمیص تھی پس کوئی بھی عورت مدینہ منورہ میں دلہن

---

1 **قولہ و حرم علی ذکورھا** (اور اس کے مردوں کے لئے حرام کیا ہے) یعنی میری امت کے مرد، اور لفظ ذکور اپنے عموم کی وجہ سے بچوں پر بھی شامل ہوتا ہے لیکن وہ مکلفین میں سے نہ ہونے کی وجہ سے ان کو پہنانے والوں پر حرام ہے اور سونے سے مراد اس کا زیور ہے ورنہ سونے اور چاندی کے برتن تو مرد وعورتوں دونوں پر حرام ہیں اسی طرح چاندی کے زیور عورتوں سے خاص ہیں سوائے اس کے جو مردوں کے لئے مستثنیٰ کئے گئے ہیں جیسے انگوٹھی وغیرہ۔ (مرقات)

2 **قولہ لبس رسول اللہ ﷺ یوماً قباء دیباج** ۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نہیں بنائی جاتی مگر میرے پاس بھیج کر اس کو عاریتاً منگوالیتی تھیں ۔(بخاری)

(32/5473) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور وہ اوڑھنی اوڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: ایک پیچ ہو دو پیچ نہیں ۔(ابوداؤد)

(33/5474) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا: اس 1 سے کہ آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک چپل میں چلے اور اور یہ کپڑے میں لپٹ جائے یا ایک کپڑے میں اس طرح اکڑوں بیٹھے کہ شرمگاہ کھل

نے ایک دن دیباج کا قبا پہنا) صاحب مرقات نے کہا اور اس وقت اس کا پہننا مباح تھا۔

1 **قولہ یجب ان یعلم** الخ تم اس بات کو جانو کہ امام شافعی اور ان سے اتفاق کرنے والوں کا مذہب یہ ہے کہ مرد کیلئے ریشم کا پہننا جائز ہے جبکہ اس کو خارش ہو اس لئے کہ ریشم میں ٹھنڈک ہوتی ہے، اسی طرح سے جوں اور اس جیسی اور چیزوں کیلئے بھی جائز ہے، اور امام مالک فرماتے ہیں جائز نہیں ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس کا تانا بانا ریشم کا ہو تو مردوں کیلئے تمام صورتوں میں حرام ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "**وحرم علی ذکورھا**" (اور ریشم مردوں پر حرام ہے) اس ارشاد میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ امام یوسف امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے جنگ کی حالت میں مکروہ نہیں ہے اور غیر جنگ میں مکروہ ہے کیونکہ شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم اور دیباج کو جنگ میں پہننے کی اجازت دی ہے۔ علامہ عینی کا کہنا ہے شعبی سے یہ روایت ثابت نہیں لیکن ابن عدی نے کتاب الکامل میں ایک حدیث روایت کی ہے جو عیسیٰ بن ابراہیم بن طہمان الہاشمی عن موسی بن حبیب عن الحکم بن عمیر سے مروی ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں

جائے۔(مسلم)

(34/5475) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب قمیص پہنتے تو اپنے سیدھے جانب سے شروع فرماتے۔(ترمذی)

(35/5476) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی چادر مبارک سے احتباء کیے ہوئے تھے اور اس کا پھندنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر پڑا ہوا تھا۔(ابوداؤد)

(36/5477) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے سوا نہیں کہ دنیا میں ریشم وہی آدمی پہنتا ہے 1 جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔(متفق علیہ)

(37/5478) حضرت عمر، انس، ابن زبیر اور ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ

انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ کے موقعہ پر ریشم پہننے کی اجازت دی ہے اور امام عبدالحق نے عیسیٰ راوی میں علت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ محدثین کے پاس ضعیف اور متروک ہیں۔ابن قطان نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ ان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور موسیٰ بن حبیب بھی ضعیف ہیں اسی لئے اکثر اہل علم نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کہا ہے اور اگر یہ ثابت بھی ہوجائے تو اس کو مخلوط ریشم پر محمول کیا جائیگا اور خارش کی حدیث پیشاب سے علاج کرنے کی نظیر ہے۔(ماخوذ از نووی، عالمگیری ،ہدایہ، بنایہ، العرف الشذی)

1 قولہ الا موضع اصبعین اور ثلاث اور اربع ۔صاحب مرقات نے کہا کہ اس روایت میں جواز ہے ریشم کے بیل بوٹے کا، جبکہ وہ چار انگشت سے زائد نہ ہوں، اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے، قاضی خان نے کہا ہے کہ: بشر نے ابویوسف سے اور وہ امام

علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں اس کو نہیں پہن سکے گا۔ (متفق علیہ)

(38/5479) امام ترمذی اور امام نسائی نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سونا اور ریشم کو میری امت کی عورتوں کے لئے حلال کیا ہے اور اس کے مرد لوگوں کے لئے حرام کیا 1 ہے ۔امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (ترمذی، نسائی)

(39/5480) بخاری، مسلم کی روایت میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا میں ایک ریشمی کپڑے کا جوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو میری طرف بھیج دیا تو میں اس کو پہن لیا تو

ابوحنیفہ سے روایت کئے ہیں کہ کپڑے میں ریشم کی پٹی لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ چار انگلیوں کی یا اس سے کم کی مقدار میں ہو اور انھوں نے اس میں کسی اختلاف کو بیان نہیں کیا ہے۔

1 **قولہ وفرجیھا مکفوفین بالدیباج** ۔صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ مردوں کے لئے ریشم پہننا حرام ہے اور عورتوں کے لئے حلال ہے مگر تھوڑی مقدار معاف ہے اور وہ تین یا چار انگلیوں کی مقدار ہے جیسے جھالر اور ریشم سے سلا ہوا۔

2 **قولہ فاما العلم و سدی الثوب فلا بأس بہ** ۔صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ ایسے کپڑے کو پہننے میں کوئی حرج نہیں جس کا تانا ریشم کا ہو اور اس کا بانا ریشم کا نہ ہو جیسے روئی اور مخلوط ریشم وغیرہ جنگ میں پہننے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم مخلوط ریشم پہنا کرتے تھے اور خز کا تانا ریشم کا ہوتا ہے اور کپڑا تو بُننے سے ہی تیار ہوتا ہے اسی لئے بانے

میں نے آپ کے چہرہ انور میں غضب کو جانا اور آپ نے فرمایا: میں اس کو تمہاری طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہنو، میں تو اس لئے تمہارے طرف اس کو بھیجا تھا کہ تم خواتین میں اوڑھنیاں پھاڑ کر تقسیم کرو۔ (متفق علیہ)

کا اعتبار ہے تانے کا نہیں۔

1 قولہ: والنتف فتاوی عالمگیریہ میں ہے سفید بال اکھیڑنا تزئین کیلئے مکروہ ہے دشمن کو خوف زدہ کرنے کیلئے مکروہ نہیں ہے، امام اعظم سے اسی طرح منقول ہے جواہر الاخلاطی میں اسی طرح ہے۔

2 قولہ: عن مکامعة الرجل بغیر شعار الخ ۔صاحب ہدایہ نے کہا مرد کا مرد کے منہ کو بوسہ دینا یا اس کے ہاتھ کو یا اس کے کسی حصہ کو بوسہ دینا یا اس سے معانقہ کرنا مکروہ ہے۔ امام طحاوی نے کہا کہ یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت حبشہ سے آئے تھے تو ان سے معانقہ کیا اور ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکامعہ اور مکاعمہ سے منع فرمایا۔ مکامعہ معانقہ ہے اور مکاعمہ بوسہ دینا ہے۔ اور اس کی جو روایت آئی ہے وہ حرمت کا حکم دیئے جانے سے پہلے کی ہے پھر علماء نے کہا ہے کہ جسم پر صرف تہبند ہو تو اس وقت معانقہ کرنے سے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن جب اس پر قمیص یا جبہ ہو تو بالاتفاق معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی بات درست ہے۔ (انتہی) اور صاحب غایۃ البیان نے کہا ہے کہ بوسہ دینا بھی ایسا ہی ہے جب شہوت کی صورت پر نہ ہو بلکہ محبت کے بطور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(40/5481) مسلم شریف کی روایت میں ہے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دن دیباج 2 کا قبا پہنا جو آپ کے لئے ہدیہ پیش کیا گیا تھا پھر جلد ہی آپ نے نکال دیا اور اس کو عمرؓ کی طرف بھیجا، تو عرض

---

3 قوله : ان يجعل الرجل في اسفل ثيابه یعنی مرد کپڑوں کے دامن اور کناروں میں چار انگشت سے زائد ریشم رکھے، کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ (چار انگشت کی حد تک) جائز ہے اور یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد مثل الاعاجم (عجمیوں کی طرح) کی قید سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ پوستین کا استعمال زیادہ کرتے ہیں شاید کہ اظہار تکبر اور فخر کیلئے بھی ایسا کیا کرتے تھے۔علامہ مظہر نے کہا ہے کہ مرد لوگوں کے لئے ریشم کا پہننا خواہ وہ کپڑوں کے نیچے ہو یا کپڑوں کے اوپر ہو، حرام ہے اور عجم کے جاہلوں کی عادت ہے کہ وہ کپڑوں کے نیچے ریشم کا ایک چھوٹا کپڑا پہنتے ہیں تاکہ ان کے اعضاء کو وہ نرم بنائے رکھیں۔(مرقات)

4 قوله : او يجعل على منكبه حريرا ۔یعنی ریشم کے بیل بوٹے جو چار انگل کی مقدار سے زائد ہوں۔(مرقات)

5 قوله : و عن ركوب النمور . اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے ببر اور تمام درندوں کی کھال سے جب کہ اس کی دباغ ہوئی ہو تو اس سے جائے نماز یا زین پوش بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔کتاب الملتقط میں اسی طرح ہے اور لفظ "لابأس" حرج نہیں یہ ترک اولیٰ میں استعمال ہوتا ہے، کیونکہ ببر پر سوار ہونا عجمیوں کے طریقوں میں سے ہے اس میں زینت اور تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔اس سے ممانعت کی یہی وجہ ہے۔اور علامہ طیبی شافعی نے جو وجہ بتائی ہے کہ ببر پر سواری کرنے کی ممانعت اس کے بالوں کی نجاست کی وجہ سے ہے، کیونکہ وہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی ۔ یہ درست نہیں، کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں اس وجہ کا

کیا گیا یارسول اللہ آپ اس کو جلد ہی اُتار دیئے؟، تو آپ نے فرمایا: جبریل نے مجھے اس

اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ہر چمڑا جب اس کی دباغت ہوجاتی ہے تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔ سوائے انسان اور سور کے اور ایک قول کے مطابق سوائے کتے کے، ہمارے پاس مردار کے بال اپنی اصل کے اعتبار سے پاک ہیں۔ (ماخوذ از مرقات)

6 قولہ : ولبس الخاتم الالذی سلطان ۔ صاحب درمختار نے کہا، حاکم قاضی اور وہ جن کو مہر کی ضرورت ہوتی ہے جیسے متولی ہے ان کے سوا دوسروں کیلئے انگوٹھی کو ترک کرنا ہی افضل ہے۔ اور صاحب ردالمحتار نے کہا اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جن کو مہر کی ضرورت ہے ان کو انگوٹھی کا پہننا سنت ہے، کتاب اختیار میں اسی طرح ہے۔ اور امام قہستانی نے کہا کرمانی میں ہے امام حلوانی نے اپنے بعض تلامذہ کو اس سے منع کیا ہے، اور فرمایا جب تم قاضی بنو تو انگوٹھی پہنو اور کتاب بستان میں بعض تابعین سے روایت نقل ہے کہ انگوٹھی کا استعمال امیر، کاتب اور بیوقوف کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ جس کو مہر کی ضرورت نہیں اس کیلئے انگوٹھی مکروہ ہے۔ لیکن مصنف نے جو افضل ہے کہا ہے، اس سے جواز معلوم ہوتا ہے جیسے ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ اور درر میں اس کو اولیٰ (بہتر) سے اور کتاب اصلاح میں اس کو احب (زیادہ پسندیدہ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ ممانعت کراہیت تنزیہی ہے۔ اور فتاوی تاتارخانیہ میں کتاب بستان سے روایت ہے کہ بعض حضرات انگوٹھی کے اختیار کرنے کو مکروہ قرار دیئے ہیں سوائے صاحب اقتدار کے اس کیلئے جائز ہے اور عام اہل علم نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یونس بن ابی اسحاق سے روایت ہے انھوں نے کہا میں قیس بن ابی حازم اور عبدالرحمن بن اسود اور شعبی وغیرہ کو دیکھا ہوں وہ سب اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے حالانکہ ان کو کوئی اقتدار نہیں تھا۔ اور اس لئے کہ سلطان زینت

سے منع کیا تو عمرؓ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: آپؐ نے ایک چیز کو پسند نہیں فرمایا اور وہ مجھے عطا فرمایا میرا کیا حال ہے، تو آپؐ نے فرمایا: میں تم کو وہ اس لئے نہیں دیا کہ تم اس کو پہنو۔ میں تم کو وہ اس لئے دیا ہوں کہ تم اس کو بیچو، تو انھوں نے اس کو دو ہزار درہم میں بیچ دیا۔ (مسلم)

ہمارے فقہاء نے کہا ہے کہ یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے 1 کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ریشم جس کا تانا بھی اور بانا بھی ریشم کا ہو اس کا پہننا مرد لوگوں کے لئے تمام حالات میں ان احادیث شریفہ کی بناء پر حرام ہے۔ اور جن روایات میں جنگ میں اس کے پہننے کی

کے لئے بھی پہنتا ہے اور زینت کی ضرورت اور مہر کی ضرورت دونوں برابر ہیں تو انگوٹھی دوسرے کیلئے بھی جائز ہوئی۔ اس کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہ اختیار کرنا جواز کے درجہ میں ہے جیسا کہ عام فقہاء کا قول ہے اور یہ اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ جس کو ضرورت نہیں ہے اس کیلئے انگوٹھی کا ترک کرنا اولی ہے۔ اس کو سمجھ لو اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انگوٹھی زینت اور مہر کیلئے مکروہ نہیں ہے اور محض زینت کے لئے تو اس کا بیان گذر چکا ہے۔

1 قولہ : نهانا رسول الله ﷺ ان نشرب فی آنية الفضة والذهب وان ناكل فيها (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے ہم کو منع فرمایا) صاحب درمختار نے کہا ہے کہ سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا مرد اور عورت دونوں کیلئے مکروہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں اطلاق ہے اسی طرح چاندی اور سونے کے چمچہ سے کھانا بھی مکروہ ہے اسی طرح ان دونوں کی سلائی سے سرمہ لگانا اور اسی کے مشابہ ان دونوں کی چیزوں کا استعمال جیسے سرمہ دانی، آئینہ، قلم، دوات اور اس جیسی دیگر چیزیں جب یہ چیزیں جس کام کیلئے بنائی گئی ہیں لوگوں کے عرف کے مطابق اگر ابتداء اسی کام میں استعمال ہوں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ ہیں۔ اسی

اجازت آئی ہے وہ مخلوط ریشم پر محمول ہے اور خارش کی وجہ سے پہننے کی حدیث شریف اس حدیث شریف کی طرح ہے جس میں پیشاب سے علاج کا ذکر ہے۔
(41/5482) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

طرح اگر سونے کے برتن میں سے کھانا دوسری چیز میں منتقل کردیا گیا، پانی یا تیل کو راست سر پر ڈالنے کے بجائے اس میں سے ہتھیلی میں لیکر ڈالا جائے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ (مجتبیٰ اور دیگر کتب) اور درر میں جو لکھا گیا ہے وہ یہی ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

2 قولہ : عن لبس الحریر و الدیباج وان یجلس علیہ (اور ریشم سے اور دیباج (باریک ریشم) پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا) فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ریشم اور دیباج (مہین ریشمی کپڑے) کو بچھانے اور ان پر سو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح تکیئے اور گھریلو راحت کی چیزیں، فرش اور پردے وغیرہ دیباج اور ریشم کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس میں تصاویر نہ ہوں۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ یہ ریشم کی ساری چیزیں مکروہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ممانعت کو صاحبین نے مکروہ تحریمی پر محمول کیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے مکروہ تنزیہی پر محمول کیا ہے جیسا کہ آپ نے اپنے اس قول سے ارشاد فرمایا ہے۔ لا باس فان الورع من یدع مالا باس بہ مخافۃ ان یکون بہ باس ۔ (کوئی حرج نہیں کیونکہ پرہیز گار شخص وہ ہے جو اس چیز کو بھی چھوڑ دے جس میں حرج نہیں ہے اس اندیشہ سے کہ اس کی وجہ سے کوئی حرج ہو جائے)۔ اور مشہور حدیث دع ما یریبک الی مالا یریبک کا مفہوم یہی ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اس کے حرمت کی نہی ہونے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ملی۔ اور ریشم پہننے کے حرام ہونے کی جو

نے ریشم پہننے سے منع فرمایا مگر اس طرح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی درمیانی اور شہادت کی دونوں انگلیوں کو اُٹھایا اور ان دونوں کو ملادیا۔ (متفق علیہ)

(42/5483) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ انھوں نے جابیہ مقام میں خطبہ دیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کی جگہ کی مقدار میں 1 (مسلم)

(43/5484) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک عجمی اور

صراحتیں آئی ہیں وہ اس کو شامل نہیں ہیں کیونکہ کسی چیز پر بیٹھنے کو لبس نہیں کہا جاتا اسی لئے آپ نے اس پر مکروہ تنزیہی ہونے کا حکم لگایا۔ اور یہ آپ کے فتوی میں احتیاط کی وجہ سے ہے۔ لیکن آپ کا تقوی پر عمل کرنا وہ اس قدر مشہور ہے، کہ کسی پر پوشیدہ نہیں اور آپ کے مناقب میں اس کا ذکر اس قدر آیا ہے کہ شمار کرنا مشکل ہے۔ (مرقات)

صاحب درمختار نے کہا ہے کہ آپ کے پاس ریشم کا تکیہ اور اس کا بستر بنانا اور اس پر سونا جائز ہے۔ لیکن صاحبین نے اور امام شافعی اور امام مالک رحمھم اللہ نے کہا کہ وہ حرام ہے اور مواہب میں ہے کہ یہی بات صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں یہ بات یاد رکھی جائے کہ یہ قول مشہور کے خلاف ہے۔ صاحب ردالمختار نے کہا امام صاحب رحمہ اللہ کے پاس اس کا حلال ہونا اس لئے ہے کہ مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریشم کے تکیہ پر بیٹھے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بستر پر ریشم کا تکیہ تھا۔ اور روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دعوت میں تشریف لائے اور ریشم کے تکیہ پر بیٹھ گئے۔ اور یہ اسی لئے ہے کہ ریشم پر بیٹھنا اس کا استخفاف (اس کے ہلکے ہونے کی علامت) ہے اس میں اس کی تعظیم نہیں ہے۔ اور یہ تصاویر والے بستر پر بیٹھنے کے قائم مقام ہے۔ (السراج)

1 قولہ: فلا تلبسھا (تم اس کو مت پہنو) فتاوی قاضی خان میں ہے مرد کیلئے کسم،

کسراونی جبہ نکالیں اس کا گریبان وکلی ریشم کی تھی اور اس کے دونوں چاک ریشم سے سلے ہوئے تھے 1 اور وہ فرمائیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ مبارکہ ہے جو حضرت عائشہ کے پاس تھا، پس جب ان کا انتقال ہوگیا تو میں اس کو لے لی، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پہنتے تھے۔ اور ہم اس کو بیماروں کے لئے دھوتے اور اس سے شفاحاصل کرتے تھے۔ (مسلم)

(44/5485) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ایسے کپڑے سے جو خالص ریشم سے ہو اب رہا بیل بوٹے اور کپڑے کا تانا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ 2 (ابوداؤد)

(45/5486) ابوریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا گودنے سے، سفید بال اکھیڑنے سے 1 کسی مرد کا دوسرے مرد کے ساتھ 2 بغیر کپڑوں کے ایک ساتھ رہنے سے اور کسی عورت کا دوسرے عورت کے ساتھ بغیر کپڑے کے ایک ساتھ سونے سے اور عجمیوں کی طرح کپڑے کے نیچے 3 ریشم لگانے یا اپنے شانے پر عجمیوں کی طرح ریشم ڈالنے 4 ور لوٹ مار مچانے سے اور ببر کی کھال پر سواری کرنے 5 سے اور انگوٹھی پہننے 6 سے، مگر صاحب اقتدار کے لئے۔ (ابوداؤد، نسائی)

(45/5486) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے تم مخلوط ریشم (کے زین پوش) پر

زعفران اور اس میں رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ (ازمرقات) صاحب درمختار نے کہا ہے کسم میں رنگا ہوا اور زعفران میں رنگا ہوا سرخ اور پیلا رنگ مرد لوگوں کے لئے مکروہ ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتوں کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

1 قولہ: وقد رأیتہ فی حلۃ حمراء میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ

سوار مت ہونا اور چیتے (کی کھال) پر سوار مت ہونا۔ (ابوداؤد، نسائی)

(46/5487) علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سونے کی انگوٹھی سے اور قسی ریشم اور ریشمی زین پوش سے منع فرمایا۔ (ترمذی،

جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا ہے، قاضی نے کہا یہ حدیث امام شافعی کے مذہب کی دلیل ہے کہ سرخ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ ریشم کا نہ ہو۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ حنفیہ کے پاس بھی اس کا پہننا جائز ہے جبکہ وہ ریشم کا اور کسم کے رنگ میں رنگا ہوا نہ ہو۔ (بذل المجہود)

صاحب مرقات نے کہا البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شمائل مبارکہ کے بارے میں جو حدیث شریف آئی ہے کہ آپ پر سرخ جوڑا تھا تو حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسی سے ہمارے امام شافعی نے سرخ کپڑا پہننے کے جواز پر استدلال کیا ہے اگرچیکہ وہ گہرا سرخ ہو اور صاحب درمختار و صاحب ردالمحتار نے کہا ہے: کسم میں رنگا ہوا اور زعفران میں رنگا ہوا سرخ اور پیلے رنگ کا لباس مردوں کیلئے مکروہ ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورتوں کیلئے یہ مکروہ نہیں ہے اور باقی تمام قسم کے رنگوں میں ان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔ مجتبیٰ، قہستانی اور ابوالمکارم کی شرح نقایہ میں ہے سرخ رنگ کا کپڑا پہننے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بات امام صاحب سے منقول ہے۔ (ملتقط) اس کا مفاد یہ ہوا کہ یہ کراہت تنزیہی ہے کیونکہ لفظ "لاباس" (کوئی حرج نہیں ہے) عموماً ان چیزوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جن کا ترک کردینا اولی و بہتر ہے (منح) لیکن کتاب تحفہ میں اس کی حرمت کی صراحت کی گئی ہے لہٰذہ معلوم ہوا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور جب مطلق کراہت کا ذکر آتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتا ہے۔ یہ بات مصنف نے فرمائی ہے "منتخب فتاوی" میں ہے صاحب روضہ نے کہا مرد و عورت ہر دو کیلئے سرخ اور سبز کپڑا پہننا بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔ اگر نجس چیز میں

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(48/5489) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 1 چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے ہم کو منع

یہ رنگے جانے کی تاویل کے ذریعہ تطبیق کو اختیار نہ کیا جائے تو یہ تمام دلائل اور مجتبی، قہستانی اور شرح ابی المکارم میں جو کچھ مذکور ہے وہ سب مکروہ تحریمی کے قول کے معارض ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں امام شرنبلالی کا اس بارے میں تحفة الاکمل والهمام المصدر لبیان جواز لبس الاحمر، کے نام سے ایک مستقل رسالہ ہے انھوں نے اس میں کثرت سے دلائل اور اقوال کو ذکر کئے ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے پیش کیا ہے اور انھوں نے کہا ہم کو حرمت کے اثبات میں کوئی قطعی دلیل نہیں ملی۔ اور اس کے پہننے کی ممانعت اس علت کی بناء پر ہے جو پہننے والے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے جیسے عورتوں یا عجمیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی غرض یا تکبر کے طور پر، اور اگر یہ علت ختم ہو جائے تو کراہت ختم ہو جاتی ہے جیسے اخلاص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنا مقصود ہو۔

اور نجس چیز میں رنگنے کی وجہ سے جو کراہت آئی ہے وہ اس کو دھو لینے سے ختم ہو جاتی ہے اور اس کے جواز کو امام اعظم رحمہ اللہ کی جو صراحت اور اس کی مباح ہونے کی جو قطعی دلیل ہم نے پائی ہے وہ یہ ہے کہ زینت اختیار کرنے کا حکم مطلق ہے اور ہم کو بخاری و مسلم میں اس کی دلیل ملی ہے اس سے حرمت و کراہت کی نفی ہو جاتی ہے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے اس کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جو اس پر مزید معلومات حاصل کرنا چاہے تو وہ مذکورہ دلائل دیکھے۔ میں کہتا ہوں لیکن اکثر کتابوں میں اس کی کراہت مذکور ہے جیسے سراج، محیط، اختیار، ملتقی، ذخیرہ وغیرہ اور علامہ قاسم کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ حاوی

فرمایا اور ریشم سے اور دیباج (باریک ریشم) پہننے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ۔ 2
(متفق علیہ)

امام ابویوسف اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ریشم کا تکیہ بنانا اور اس کو بچھانا اور اس پر سونا حرام ہے اور یہی بات صحیح ہے جیسا کہ مواہب میں ہے اور اسی طرح دُرر البحار کے متن میں ہے ۔ علامہ عینی اور قہستانی نے کہا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ اسی کو اختیار کئے ہیں اور کرمانی میں بھی ایسا ہی ہے اور علامہ ابن کمال نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے ۔

(49/5490) عبداللہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر کسم میں رنگے ہوئے دو کپڑے دیکھے تو آپ نے فرمایا: کہ یہ کافروں کے کپڑوں میں سے ہے پس تم اس کو مت پہنو 1 (50/5491) اور ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا میں ان دونوں کو دھولوں تو آپ نے فرمایا بلکہ تم اس کو جلادو ۔ (مسلم)

(51/5492) اور انہی سے روایت ہے انھوں نے کہا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیکھا کہ مجھ پر کسم میں رنگا ہوا ایک گلابی کپڑا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے، میں سمجھ گیا جس کو آپ نے ناپسند کیا ہے میں نکلا اور اس کو جلا ڈالا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے کپڑے کے ساتھ کیا کیا ہے میں نے عرض کیا کہ: میں نے اس کو جلا دیا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھر والوں میں سے کسی کو کیوں نہیں پہنایا کیونکہ اس میں عورتوں کیلئے کوئی حرج نہیں ۔ (ابوداؤد)

(52/5493) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اللہ کے نبی صلی اللہ

زاھدی میں ہے کہ سر میں پہننا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اس رسالہ میں آٹھ اقوال مذکور ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ مستحب ہے ۔

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو مرد لوگوں کا عطر خوشبو ہے جس میں رنگ نہ ہو اور عورتوں کا عطر رنگ ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ (ابوداؤد) راوی حدیث سعید نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے کہا ہے اس کے سوا نہیں کہ عورتوں کی خوشبو کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو علماء نے عورت کے گھر سے نکلنے کی صورت پر محمول کیا ہے البتہ جب وہ اپنے شوہر کے پاس رہے تو اس کو اختیار ہے جو خوشبو چاہے استعمال کرے۔

(53/5494) براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد تھے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے 1 دیکھا میں نے آپ سا حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ (بخاری)

(54/5495) انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک آپ کے گوش مبارک کی لو کو چھو رہے تھے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا میں نے آپ سا حسین کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ (ابوداؤد)

(55/5496) ہلال بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منیٰ میں خچر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک سرخ چادر تھی اور علی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے اس کی وضاحت فرماتے جا رہے تھے۔ (ابوداؤد)

(56/5497) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا ایک صاحب کا گزر ہوا اور ان پر دو سرخ کپڑے تھے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے ان کا جواب نہیں دیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(57/5498) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے انھوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارغوانی رنگ کے زین پوش سے منع فرمایا۔

(58/5499) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ زین پوش سے منع فرمایا۔ (شرح السنۃ)

(59/5500) ابو رمثہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ پر دو سبز رنگ کے کپڑے تھے اور آپ کے موئے مبارک پر سفیدی آ گئی تھی اور آپ کی سفیدی پر سرخی تھی۔ (ترمذی)

(60/5501) اور ابوداؤد کی ایک روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوئے اطہر تا بگوش تھے اور ان میں مہندی کا نشان تھا۔

(61/5502) سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سفید کپڑے پہنو کیونکہ وہ زیادہ پاک اور زیادہ پاکیزہ ہیں اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

(62/5503) ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک ان سب سے اچھا لباس جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملو سفید لباس ہے۔ (ابن ماجہ)

(63/5504) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی نیا لباس زیب تن فرماتے تو اس کا نام لیتے جیسے عمامہ یا قمیص یا چادر پھر فرماتے اے اللہ تیرا شکر ہے۔ جیسا کہ تو نے مجھے پہنایا میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس مقصد کیلئے

---

1 قولہ: ان البذاذة من الایمان (بیشک سادگی ایمان سے ہے) اس حدیث شریف سے یہ بتانا مقصود ہے کہ لباس میں تواضع اختیار کرنا اور حد درجہ زینت سے بچنا اہل ایمان کے اخلاق سے ہے اور ایمان ہی اس کا باعث ہے۔ مرقات میں ہے اور صاحب ردالمحتار نے کہا جانو تم اس بات کو کہ زینت کا لباس پہننا مکروہ ہے جبکہ وہ تکبر کے لئے ہو۔

یہ بنایا گیا ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور میں اس کے شر سے اور جس مقصد کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

(64/5505) معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کوئی کھانا کھائے پھر کہے ''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت وقوت کے بغیر مجھ کو یہ سرفراز فرمایا'' تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (ترمذی)

(65/5506) ابوداؤد نے یہ اضافہ ذکر کیا ہے اور جو شخص کپڑا پہنے اور کہے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو یہ پہنایا اور میری طاقت وقوت کے بغیر مجھے یہ عنایت فرمایا تو اس کے اگلے

---

1 **قولہ : ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ** (بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو) صاحب ردالمحتار نے کہا ہے جانو تم اس بات کو کہ لباس اس میں ایک مستحب ہے اور وہ زینت کو اختیار کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کیلئے پہنا جانے والا زائد لباس ہے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے اور لباس اس کی ایک قسم مباح ہے اور وہ عید، جمعہ اور لوگوں کے اجتماعات کے موقع پر زینت کی خاطر پہنا جانے والا خوبصورت لباس ہے اور یہ ہر وقت کیلئے نہیں کیونکہ یہ خود پسندی اور تکبر ہے اور یہ بسا اوقات محتاج وتنگدست افراد کے غیظ وغضب کا باعث بنتا ہے۔ پس اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے اور ''ھندیہ'' میں ''سراجیہ'' سے منقول ہے خوبصورت کپڑے پہننا مباح ہے جب کہ وہ تکبر نہ کرے۔ اس کی تفسیر یہ ہے وہ ان کپڑوں کو پہن کر ایسا ہی رہے جیسے پہلے تھا۔ صاحب مرقات نے کہا: پس اگر تم کہو کیا یہ بات نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سادگی پر ابھارا تا کہ وہ ضرورت کے وقت اس سے روگردانی نہ کرے اور پر تکلف کپڑوں کیلئے تکلف

پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

(66/5507) ابو مطر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا بیشک علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خرید اپس جب آپ نے اس کو پہنا تو کہا اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو زینت کا وہ لباس عطا فرمایا جس کے ذریعہ میں لوگوں میں جمال حاصل کروں اور اس کے ذریعہ اپنی ستر پوشی کروں پھر کہا اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔(احمد)

(67/5408) ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نیا کپڑا زیب تن فرمایا اور یہ پڑھا "الحمد للہ الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به فی حیاتی" اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو وہ پہنایا جس سے میں اپنی ستر پوشی کروں اور جس سے میں اپنی زندگی میں زینت حاصل کروں۔

پھر انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو کوئی نیا لباس پہنے اور یہ کہے الحمد للہ الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل به

نہ کرے جیسا کہ لوگوں کی عادت میں دیکھا جاتا ہے حتی کہ علماء اور صوفیاء میں، البتہ وہ شخص جو صاف ستھرے اور نئے لباس پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کو اپنی عادت بنالے تو اس کیلئے جائز نہیں کیونکہ یہ خساست اور ہلکا پن ہے۔

1 قولہ : فلیسر اثر نعمة الله علیک و کرامته تم پر اللہ کی نعمت اور اس کی نوازش کا اثر دکھائی دیا جانا چاہئے) شرح السنہ میں ہے یہ حکم صفائی اور نظافت کے ذریعہ اچھے کپڑے اختیار کرنے اور اگر میسر ہو تو نئے کپڑے پہننے سے متعلق ہے عجمیوں کی عادت کے مطابق نرم ملائم اور باریک قسم کے کپڑے اور ایک لباس کے اوپر دوسرا لباس پہننے میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔(مرقات)

فی حیاتی پھر جس کپڑے کو اس نے پرانا کردیا ہے اس کو لے کر خیرات کردے تو وہ خواہ زندہ رہے یا انتقال کر جائے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اور اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی میں رہتا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(681/5509) ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انھوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے عائشہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تم کو دنیا سے ایک سوار کے توشہ کے بقدر کافی ہے اور تم مالداروں کی مجلس سے دور رہو اور کسی کپڑے کو پرانہ مت سمجھو جب تک کہ تم اس کو پیوند نہ لگاؤ۔ (ترمذی)

(69/5510) ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں سنتے کیا تم نہیں سنتے کہ بیشک سادگی 1

---

1 قولہ : ما کان یجد هذا ما یغسل به ثوبه (یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنا لباس دھولے) طیبی نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی سادگی کو اس لئے ناپسند فرمایا کیونکہ وہ ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ اور اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد ''البذاذة من الایمان ''سادگی ایمان سے ہے۔ تو اس سے مومن کیلئے تواضع کو ثابت کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے مومن تواضع والا ہوتا ہے اور ذلیل و خوار نہیں ہوتا اور اسی کیلئے عزت ہے تکبر نہیں ہے۔

اور اسی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، بے شک تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: درست بات یہ ہے کہ سادگی اور معمولی لباس پر اکتفاء کرنا اس نظافت و ستھرائی کے منافی نہیں ہے جس کے بارے میں آیا ہے کہ وہ دین سے ہے اور یہ ارباب یقین کے پاس ذلت و رسوائی کو لازم نہیں کرتی۔ (مرقات)

2 قولہ : کل ما شئت والبس ما شئت ...... الخ (تم جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے

ایمان سے ہے بیشک سادگی ایمان سے ہے۔(ابوداؤد)
(70/5511) اور انہیں کی ایک روایت میں سوید بن وہب سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی اولاد میں سے ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خوبصورتی کے لباس کو مقدور کے باوجود ترک کردے (71/5512) ایک روایت میں ہے تواضع کے طور پر تو اللہ تعالی اس کو کرامت و بزرگی کا جوڑا پہنائیگا اور جو اللہ کیلئے نکاح کرے تو اللہ تعالی اس کو شاہی تاج پہنائیگا۔امام ترمذی نے انہی سے بواسطۂ معاذ بن انس لباس سے متعلق حدیث شریف نقل کی ہے ۳۳۲/۷) عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول

پیو) صاحب فتاوی عالمگیریہ نے جو بات کہی ہے وہ اسی مفہوم کے قریب ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی اس میں سے کچھ بھی تکبر کی وجہ سے کرے تو وہ ناپسندیدہ ہے۔اور کسی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے ایسا کرے تو وہ مکروہ نہیں ہے۔(کافی)
1 قوله : من لبس ثوب شهرة (جو کوئی شہرت کا لباس پہنے) یعنی تکبر، فخر اور بڑائی کا لباس پہنے یا وہ لباس پہنے جس کو بناوٹی زاہد اپنے آپ کو زاہد سے شہود کرنے کیلئے پہنا کرتے ہیں یا وہ لباس پہنے جس کو بناوٹی سید سیادت کی علامت کے طور پر پہنتے ہیں جیسے سبز کپڑا یا بناوٹی فقیہ جو فقہاء کا لباس پہنتے ہیں اس جیسا لباس پہنے حالانکہ وہ احمقوں میں سے ہے (مرقات) بہتر یہ ہے کہ لباس عمدہ اور معمولی کے درمیان میں ہو کیونکہ سب سے بہترین کام ان میں کے درمیانی ہوتے ہیں اور اس لئے بھی کہ دو قسم کی شہرت والے لباس سے منع کیا گیا ہے ۱) ایک جو انتہائی اعلی قسم کا ہو ۲) دوسرا وہ جو نہایت ہی خسیس و معمولی ہو۔

الحمدللہ جلد 12 ختم ہوئی

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے 1 کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو۔ (ترمذی)

(72/5513) ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کئے انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ مجھ پر ایک معمولی لباس تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تمہارے لئے مال ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مال کس قسم سے ہے تو میں نے عرض کیا: اللہ نے مجھے ہر قسم کے مال عطا کئے ہیں، اونٹ، گائے، بکریاں، گھوڑے، غلام۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: پس جب اللہ تم کو مال عطا کرے تو اللہ کی نعمت اور اس کی نوازش کا اثر تم پر دکھائی 1 دیا جانا چاہئے۔ (احمد، نسائی، شرح السنۃ میں مصابیح کے لفظ کے ساتھ ہے)

(73/5514) ابورجاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: ہمارے پاس عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تشریف لائے جبکہ ان پر ریشم کی نقش ونگار والی چادر تھی اور انھوں نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اپنی بندے پر نعمت کا اثر ظاہر ہو۔ (احمد)

(75/5516) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پراگندہ بال والے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کہ یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے وہ اپنے سر کو درست کرلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس پر میلے کپڑے تھے تو فرمایا: یہ شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے اپنا لباس دھولے۔ 1 (احمد، نسائی)

(76/5517) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا: تم جو چاہے

2 کھاؤ اور جو چاہے پہنو جب تک دو چیزیں تم سے دور رہیں فضول خرچی اور تکبر۔ امام بخاری نے اس کو ترجمۃ الباب میں بیان کیا اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اس تعلیق کو متصل بیان کیا ہے۔

(77/5518) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کھاؤ، پیو اور صدقہ وخیرات کرو اور پہنو جب تک کہ اس میں اسراف اور تکبر کی آمیزش نہ ہو۔ (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

(78/5519) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی دنیا میں شہرت کا لباس پہنے 1 اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(79/5520) اور انہی سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہی میں سے ہوگا۔ (احمد، ابوداؤد)

Index of /images/books

- Parent Directory
- Noorul Masabih v.1/
- Noorul Masabih v.10/
- Noorul Masabih v.11/
- Noorul Masabih v.12/
- Noorul Masabih v.13/
- Noorul Masabih v.14/
- Noorul Masabih v.15/
- Noorul Masabih v.16/
- Noorul Masabih v.17/
- Noorul Masabih v.18/
- Noorul Masabih v.19/
- Noorul Masabih v.2/
- Noorul Masabih v.20/
- Noorul Masabih v.3/
- Noorul Masabih v.4/
- Noorul Masabih v.5/
- Noorul Masabih v.6/
- Noorul Masabih v.7/
- Noorul Masabih v.8/
- Noorul Masabih v.9/
- Zujajah v1/
- Zujajah v2/
- Zujajah v3/
- Zujajah v4/
- Zujajah v5/

Index of /images/books/Noorul Masabih

Parent Directory
36_1.jpg
36_10.jpg
36_100.jpg
36_101.jpg
36_102.jpg
36_103.jpg
36_104.jpg
36_105.jpg
36_106.jpg
36_107.jpg
36_108.jpg
36_109.jpg
36_11.jpg
36_110.jpg
36_111.jpg
36_112.jpg
36_113.jpg
36_114.jpg
36_115.jpg
36_116.jpg
36_117.jpg
36_118.jpg
36_119.jpg
36_12.jpg
36_120.jpg
36_121.jpg
36_122.jpg
36_123.jpg
36_124.jpg
36_125.jpg
36_126.jpg
36_127.jpg
36_128.jpg
36_129.jpg
36_13.jpg
36_130.jpg
36_131.jpg
36_132.jpg
36_133.jpg
36_134.jpg
36_135.jpg
36_136.jpg
36_137.jpg
36_138.jpg
36_139.jpg
36_14.jpg
36_140.jpg

36_141.jpg
36_142.jpg
36_143.jpg
36_144.jpg
36_145.jpg
36_146.jpg
36_147.jpg
36_148.jpg
36_149.jpg
36_15.jpg
36_150.jpg
36_151.jpg
36_152.jpg
36_153.jpg
36_154.jpg
36_155.jpg
36_156.jpg
36_157.jpg
36_158.jpg
36_159.jpg
36_16.jpg
36_160.jpg
36_161.jpg
36_162.jpg
36_163.jpg
36_164.jpg
36_165.jpg
36_166.jpg
36_167.jpg
36_168.jpg
36_169.jpg
36_17.jpg
36_170.jpg
36_171.jpg
36_172.jpg
36_173.jpg
36_174.jpg
36_175.jpg
36_176.jpg
36_177.jpg
36_178.jpg
36_179.jpg
36_18.jpg
36_180.jpg
36_181.jpg
36_182.jpg
36_183.jpg
36_184.jpg
36_185.jpg
36_186.jpg
36_187.jpg

36_188.jpg
36_189.jpg
36_19.jpg
36_190.jpg
36_191.jpg
36_192.jpg
36_193.jpg
36_194.jpg
36_195.jpg
36_196.jpg
36_197.jpg
36_198.jpg
36_199.jpg
36_2.jpg
36_20.jpg
36_200.jpg
36_201.jpg
36_202.jpg
36_203.jpg
36_204.jpg
36_205.jpg
36_206.jpg
36_207.jpg
36_208.jpg
36_209.jpg
36_21.jpg
36_210.jpg
36_211.jpg
36_212.jpg
36_213.jpg
36_214.jpg
36_215.jpg
36_216.jpg
36_217.jpg
36_218.jpg
36_219.jpg
36_22.jpg
36_220.jpg
36_221.jpg
36_222.jpg
36_223.jpg
36_224.jpg
36_225.jpg
36_226.jpg
36_227.jpg
36_228.jpg
36_229.jpg
36_23.jpg
36_230.jpg
36_231.jpg
36_232.jpg

36_233.jpg
36_234.jpg
36_235.jpg
36_236.jpg
36_237.jpg
36_238.jpg
36_239.jpg
36_24.jpg
36_240.jpg
36_241.jpg
36_242.jpg
36_243.jpg
36_244.jpg
36_245.jpg
36_246.jpg
36_247.jpg
36_248.jpg
36_249.jpg
36_25.jpg
36_250.jpg
36_26.jpg
36_27.jpg
36_28.jpg
36_29.jpg
36_3.jpg
36_30.jpg
36_31.jpg
36_32.jpg
36_33.jpg
36_34.jpg
36_35.jpg
36_36.jpg
36_37.jpg
36_38.jpg
36_39.jpg
36_4.jpg
36_40.jpg
36_41.jpg
36_42.jpg
36_43.jpg
36_44.jpg
36_45.jpg
36_46.jpg
36_47.jpg
36_48.jpg
36_49.jpg
36_5.jpg
36_50.jpg
36_51.jpg
36_52.jpg
36_53.jpg

36_54.jpg
36_55.jpg
36_56.jpg
36_57.jpg
36_58.jpg
36_59.jpg
36_6.jpg
36_60.jpg
36_61.jpg
36_62.jpg
36_63.jpg
36_64.jpg
36_65.jpg
36_66.jpg
36_67.jpg
36_68.jpg
36_69.jpg
36_7.jpg
36_70.jpg
36_71.jpg
36_72.jpg
36_73.jpg
36_74.jpg
36_75.jpg
36_76.jpg
36_77.jpg
36_78.jpg
36_79.jpg
36_8.jpg
36_80.jpg
36_81.jpg
36_82.jpg
36_83.jpg
36_84.jpg
36_85.jpg
36_86.jpg
36_87.jpg
36_88.jpg
36_89.jpg
36_9.jpg
36_90.jpg
36_91.jpg
36_92.jpg
36_93.jpg
36_94.jpg
36_95.jpg
36_96.jpg
36_97.jpg
36_98.jpg
36_99.jpg

ı v.12